قیمت سالانہ معہ محصولڈاک دو روپیہ چھ آنے - قیمت فی پرچہ

کارخانہ پیسہ اخبار کے مطبع خادم التعلیم سٹیم پریس لاہور میں منشی عبدالعزیز نے چھاپکر شائع کیا

بچوں کا اخبار

حیوانات درند و چرند کے حالات کا سلسلہ

۱۱- ہرن

Natural History
SERIES

ANTELOPE

P T O

ہرن کیسا خوبصورت اور دلکش جانور ہوتا ہے شاعروں نے اسکی آنکھوں کی خوبصورتی کی بڑی تعریف کی ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ اس کا تمام بدن سانچے میں ڈھلا ہوا ہوتا ہے ہرن اور اسکی قسم کے دوسرے جانور مثل بارہ سنگے اور پاڑہ کے سب بڑے ڈیلوک ہوتے ہیں مگر قدرت نے انہیں رفتار نہایت تیز عطا کی ہے ذرا پتے کا کھٹکا ہوا اور ہرن ذقندیں بھرتا ہوا نظر سے غایب ہو گیا ہرن زیادہ تر ایشیا اور افریقہ کے گرم ملکوں میں پایا جاتا ہے اسکا چمڑا مرگ چھالا کے نام سے جوگی پہنتے ہیں یا لوگ گھروں میں فرش پر بچھاتے ہیں +

حیوانات پرند کے حالات کا سلسلہ

۱۴۔ گانیوالا شکر خورہ

یہ چھوٹے قد کا جانور منطقہ حارہ کا رہنے والا ہے۔ اس میں یہ ایک عجیب صفت پائی جاتی ہے۔ کہ جب یہ پھولوں سے رس چوستا ہے۔ تو ایک جگہ نہیں بیٹھتا۔ بلکہ برابر پھول کے ارد گرد اُڑتا اور فرفر فرفر کرتا رہتا ہے۔ یہ بڑا بانکا اور خوبصورت جانور ہے۔ شکل و صورت میں قدرے ابابیل سے ملتا ہے۔ پھولوں کی رس کے سوائے اور کوئی چیز نہیں کھاتا +

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

امیر عبدالرحمٰن خان مرحوم

سابق امیر افغانستان

امیر عبدالرحمٰن خاں مرحوم سابق امیر کابل

پیارے بچو۔ گذشتہ دو پرچوں میں ایک ایسے نامور شخص کے حالات لکھتے

رہے ہیں۔ کہ جس نے مفلسی سے شروع کر کے اضلاع متحدہ امریکہ کی پریسیڈنٹی
تک تمام منزلیں صرف اپنے زورِ بازو اور عقلِ خداداد کے ذریعہ سے ہمت اور استقلال
کے ساتھ طے کیں۔ وُہ ایک نہایت مفلس لڑکا تھا۔ اِس لئے اُسے اعلیٰ رتبہ حاصل
کرنے کے لئے ہر طرح کی محنت کرنی پڑی۔ بڑھئی کا کام کیا۔ خچر چلانے کی ملازمت
کی۔ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدرسہ میں جھاڑو دیا۔ گھنٹہ بجایا۔ غرض اُس نے
ہر قسم کی محنت اور کاوش سے بادشاہی کا درجہ حاصل کیا۔ لیکن آج ایک ایسے
شخص کے حالاتِ زندگی تمہارے غور اور مطالعہ کے لئے لکھے جاتے ہیں۔ کہ
جس نے بادشاہزادہ ہو کر لوہار کا کام کیا۔ جس کے طفولیت کے کچھ دن قیدخانہ
میں کٹے۔ اور جس نے باورچی کا کام کیا۔ جو نائب السلطنت بھی رہا۔ اور نائب السلطنت
کی رعایا بھی رہا۔ جو ایک وقت مالی اور کسان کا کام کرتا رہا۔ اور بعد میں اُس کا خیر مقدم
رُوس۔ ایران۔ انگلستان اور بخارا کی گورمنٹوں نے کیا۔ جس نے اپنے ہاتھ سے
ایک امیر کو مسند پر بٹھایا۔ اور پھر خود اُسی کے ہاتھوں کابل چھوڑ دینے پر مجبور ہُوا۔
اور جو ایک وقت پر حکمران تھا۔ اور دوسرے وقت ایک روٹی کا ٹکڑا بھی کھانے
کو اپنے پاس نہیں رکھتا تھا۔ یہ شخص امیر عبدالرحمن خاں والیٔ ملکِ افغانستان تھا۔

امیر صاحب کا شوقِ تعلیم

امیر صاحب مرحوم بچپن میں پڑھنے سے سخت نفرت رکھتے تھے۔ چنانچہ وُہ
اپنی سوانح عمری میں اپنی تعلیم کا حال یُوں لکھتے ہیں:۔ میں نو برس سے کچھ ہی بڑا
تھا۔ کہ میرے والد صاحب نے میری تعلیم کا بندوبست کیا۔ اور ہوشیار اور قابل
اُستاد میری تعلیم کے لئے مقرر کئے۔ میں کند ذہن تھا۔ سبق سے سخت نفرت تھی۔
میرا دماغ گھوڑے کی سواری اور شکار کے شوق سے پُر رہتا تھا۔ جو کچھ آج پڑھا
کل بھول گیا۔ لیکن مجبوراً کچھ پڑھنا ہی پڑتا تھا۔ اور اس مصیبت سے رہائی کی کوئی

ضرورت نہ تھی۔ میرے اُستادوں نے میری تعلیم میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا لیکن کوئی نتیجہ مرتب نہ ہوتا۔"

پیارے ناظرین! دیکھو۔ امیر صاحب نے اپنی حالت بیان کرنے میں ذرا بھی جھوٹ سے کام نہیں لیا۔ اگر وُہ اپنی کند ذہنی اور سبق سے نفرت پر پردہ ڈالنا چاہتے۔ تو ڈال سکتے تھے۔ لیکن راست پسند مرحوم امیر کابل نے راستی کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اور اس بات کو تم خوشی سے سُنو گے۔ کہ جس تاجدار نے اپنی بچپن کی تعلیمی حالت اس طرح بیان کی ہے۔ اُس نے بعد میں محض اپنی لیاقت اور شوق سے پشتو۔ فارسی۔ ترکی۔ رُوسی۔ عربی اور ہندوستانی زبانیں سیکھ لیں۔ پہلی چار زبانوں میں وُہ اچھی طرح بات چیت کر سکتے تھے۔ مگر آخری دو زبانوں میں انہیں زیادہ مہارت حاصل نہیں تھی۔ زمانہ حکومت میں انہیں مطالعہ کا اس قدر شوق ہو گیا تھا۔ کہ چند ملازم صرف اسی واسطے مقرر کر رکھے تھے۔ کہ سونے سے پہلے اُنہیں کتابیں پڑھ پڑھ کر سنائیں۔ یہ کتابیں ناول اور فسانے نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ان میں مشہور اور نامور فلاسفروں۔ ریفارمروں۔ اور بزرگوں کی قابلِ تقلید زندگیوں کے حالات ہوتے تھے۔ جغرافیہ اور تاریخ کی کتابوں کو بھی وُہ نہایت شوق سے سُنا کرتے تھے۔ کیونکہ اس سے وُہ اور ملکوں کی حالت معلوم کر کے اپنے مُلک کا بخوبی اندازہ کر سکتے تھے۔ اِس قسم کی کتابوں کو سُنکر پھر پُرانی کہانیاں سُنا کرتے تھے۔ اُن کا مطلب ان کہانیوں کے سُننے سے صرف دل بہلانے کا ہی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ وُہ اُن سے بہت مفید سبق سیکھا کرتے تھے۔ وُہ اِس بات کو نہایت غور سے دیکھا کرتے تھے۔ کہ زمانۂ قدیم میں لوگوں کی زندگی کن شغلوں میں گذرتی تھی۔ اُن کے روٹی کمانے کے کیا کیا وسائل تھے لڑائیوں کے وقت وُہ کیسی دلیری دکھاتے تھے۔ اُن میں حب وطن کس قدر

تھی۔ اور پھر ان باتوں کا اپنے ملک کی موجودہ حالت سے مقابلہ کیا کرتے تھے۔ تاکہ انہیں یہ اچھی طرح معلوم ہو جائے۔ کہ اُن کے ملک یعنی افغانستان نے زمانہ قدیم سے لیکر آج تک کیا کیا ترقی کی ہے۔ اور پھر اُن اسباب کو سوچا کرتے تھے۔ کہ جن سے وُہ افغانستان کو ایک مہذب اور ترقی یافتہ ملک بنا سکیں۔ غرض وُہ کتب کے مطالعہ اور کہانیوں کے سُننے سے صرف دل ہی نہیں بہلاتے تھے۔ بلکہ اُنسے خوب فائدہ اُٹھاتے تھے۔

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

امیر عبدالرحمن ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے۔ اور ۱۹۰۱ء تک حکومت کرتے رہے۔ اِن کے والد کا نام افضل خان تھا۔ اور دادا کا نام امیر کبیر دوست محمد خاں تھا۔ انہیں امیر دوست محمد خاں کی بدولت بارک زئی خاندان کی حکومت افغانستان میں قائم ہوئی۔ ۹۔ جون ۱۸۶۳ء کو اپنی وفات پر امیر دوست محمد خاں نے اپنے بڑے اور منجھلے بیٹوں افضل خاں اور امیر عظیم خاں کو چھوڑ کر اپنے سب سے چھوٹے بیٹے شیر علی خاں کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ پہلے تو شیر علی کی حکومت کو سبھوں نے بے چون وچرا تسلیم کر لیا۔ لیکن ابھی چند مہینے بھی گذرنے نہ پائے تھے۔ کہ امیر عبدالرحمن خان کے والد سردار افضل خاں نے کوہستان ہندوکش اور دریائے جیحوں کے درمیان بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دیا۔ کہ جہاں وُہ اپنے والد کی وفات کے وقت گورنر تھا۔ اس کے بعد پانچ برس تک تینوں بھائیوں میں خونریز لڑائی ہوتی رہی۔ جس میں امیر عبدالرحمن خاں نے اپنے آپ کو ایک لائق اور بہادر شخص ثابت کیا۔ گو افضل خاں کی شیر علی کے ساتھ صلح ہو گئی۔ مگر عبدالرحمن خاں نے شمالی حصّہ میں جو رویہ اختیار کیا۔ اس سے امیر کے دل میں شُبہ پیدا ہو گیا۔ اور جب اُس نے عبدالرحمن خاں کو واپس کابل میں طلب کیا۔ تو وہ دریائے جیحوں

کو عبور کر کے بخارا جا پہنچا۔ اِدھر شیر علی نے اُس کے باپ افضل خاں کو نظر بند کر دیا اور جنوبی افغانستان میں سخت بغاوت پھیل گئی۔ ابھی امیر نے اس بغاوت کو فرو نہیں کیا تھا۔ کہ بہادر عبد الرحمٰن پھر شمال میں جا نمودار ہوا۔ کچھ دیر کی لڑائی کے بعد وُہ اور اُسکا چچا اعظم خاں کابل میں وارد ہوئے (مارچ ۱۸۶۶ء) امیر شیر علی قندہار سے اُنکے مقابلے کو آیا۔ لیکن ۱۰۔ مئی کو جو لڑائی شیخ آباد پر ہوئی۔ اس میں اُسے شکست ہوئی۔ اور عبد الرحمٰن خاں نے اپنے باپ کو غزنی کے قید خانہ سے نکال کر تختِ افغانستان پر بیٹھا دیا۔ لیکن بعد میں شورش برپا ہونے کے سبب شیر علی پھر قندہار کو چلا گیا۔ اور جب افضل خاں کا ۱۸۶۷ء کے آخیر میں انتقال ہو گیا۔ تو اعظم خاں امیر بنا اور عبد الرحمٰن خان شمالی صوبہ کا گورنر ہو گیا۔ لیکن آخر شیر علی سے اُنہیں شکست ہوئی۔ اور یہ دونوں بڑی بے سر و سامانی سے ایران کو بھاگ گئے۔ جہاں اعظم خاں اکتوبر ۱۸۶۹ء میں مر گیا۔ اور عبد الرحمٰن خاں سمرقند میں پہنچکر روس کی پناہ میں آگیا۔

امیر صاحب امیرِ کابل ہو گئے

ناظرین یہ سُنکر حیران ہونگے۔ کہ عبد الرحمٰن خاں کی عمر اسوقت صرف بیس سال کی تھی۔ لیکن عقلِ خداداد کی بدولت اُس نے اس جنگِ عظیم میں اتنا بڑا حصہ لیا۔ کہ اُس کی قابلیت اور شہرت مُلک کے چاروں گوشوں میں پھیل گئی۔ اور اُس نے اِن لڑائیوں اور مُلکی تبدیلیوں سے بعض نہائت مفید تجربے حاصل کئے۔ کہ جن سے اُسے حکمرانی کے زمانہ میں ازحد مدد ملی۔ گیارہ سال امیر عبد الرحمٰن خاں کے جلاوطنی میں ہی گذرے۔ لیکن شیر علی کی وفات پر روسی گورنر جنرل مقیم تاشقند نے اُسے ایک دفعہ اَور قسمت آزمائی کرنے کا ایما کیا۔ قصہ مختصر گورنمنٹ ہند نے بھی اُسے چند شرائط پر امیر افغانستان تسلیم کر لیا۔ اور ۲۲۔ جولائی ۱۸۸۰ء کو عبد الرحمٰن خاں

امیر کابل تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن ایک سال بعد امیر شیر علی خاں کے ایک بہادر بیٹے سردار ایوب خاں نے ہرات سے قندھار پر چڑھائی کی۔ اور رسالوں کو شکست دیکر اُس شہر پر قبضہ کر لیا۔ اِس سے امیر عبدالرحمٰن خاں سخت برہم ہوا۔ چنانچہ وُہ فوراً ایوب خان کے مقابلہ پر آیا۔ اور اُسکو ایسی شکست دی۔ کہ وُہ ایران کی طرف بھاگ گیا۔ اسی طرح جہاں کہیں ذرا سا بھی بغاوت کا شبہ ہوتا۔ امیر صاحب فوراً اُسے فرو کر دیتے حتّٰی کہ سارے افغانستان پر اُنکا خاطر خواہ تسلّط ہو گیا۔

امیر صاحب کیسے فیاض اور رحمدل تھے

امیر عبدالرحمٰن خاں یکم اکتوبر ۱۹۰۱ء کو اس دار فانی سے چل بسے۔ اور اُنکی جگہ اُنکا بڑا بیٹا سردار حبیب اللہ خاں جانشین ہوا۔ امیر صاحب مرحوم بڑے فیاض شخص تھے۔ چنانچہ جب وُہ تاشقر خان کے گورنر مقرر ہوئے ہیں۔ تو اُسوقت کا ایک عجیب واقعہ یُوں بیان کرتے ہیں۔ کہ میرے تاشقر خاں کا گورنر مقرر ہونے کے دو سال بعد والد تشریف لائے۔ اور میرے صُوبہ کا حساب کتاب طلب کیا۔ چونکہ اُس سال فصلیں بہت کم ہوئی تھیں۔ اور لوگوں میں پُورے محاصل دینے کی مقدرت نہیں رہی تھی۔ اِس لئے مَیں نے محاصل بہت گھٹا دیئے۔ جب میرے والد نے میری نرمی اور رعائت دیکھی۔ اور جو تخفیفیں مَیں نے کی تھیں۔ اُنکو ملاحظہ کیا۔ تو اُنہوں نے اُنکی منظوری سے انکار کر دیا۔ مَیں نے نہائت ادب سے عرض کی۔ کہ معاف شدہ رقمیں وصُول نہیں کرنی چاہئیں۔ لیکن اُنہوں نے کسی طرح بھی نہ مانا۔ اور تین مہینہ کے عرصہ میں تقریباً ایک لاکھ روپیہ جسے مَیں معاف کر چکا تھا وصُول کر کے بلخ واپس گئے۔ اُنکے جاتے ہی مَیں نے گورنری سے اس بنا پر استعفا دیدیا۔ کہ مجھے اپنے خیالات کے مطابق حکومت کے پُورے اختیارات حاصل نہیں ہیں۔ تو مجھے گورنری کی ضرورت نہیں ہے۔"

امیر صاحب آہنگری کا کام کس شوق سے سیکھتے ہیں

اس سے آگے امیر صاحب اپنے بندوق سازی اور فوجی کام سیکھنے اور اپنے قید ہونے کے حالات اپنے قلم سے یوں لکھتے ہیں:-

سردار عبدالرحیم خان ایک شخص میرے والد کا بہت منظورِ نظر تھا۔ میرے والد اُسے نہایت عزیز رکھتے تھے۔ مگر یہ شخص بڑا فطرتی اور بدطینت تھا۔ والد کے دربار میں میرا رسوخ زیادہ ہونا اُسے نہایت شاق گذرتا تھا۔ وہ اکثر میری غلط شکایتیں کیا کرتا تھا۔ جنکی وجہ سے بعض وقت میرے والد مجھ سے بلاوجہ ناراض ہو جایا کرتے تھے۔ والد کی فوج کا سردار ایک انگریز جنرل شیر محمد خاں تھا۔ جس نے کہ اپنا آبائی مذہب ترک کر دیا تھا۔ اُس نے میرے والد سے مجھے اپنے فن میں کامل کر دینے کی اجازت حاصل کر لی۔ میں دو تین سال جرّاحی اور فنِ جنگ سیکھتا رہا۔ والد نے چند بندوق بنانے والے کابل سے بلائے تھے۔ اور میرے مکتب کے قریب ہی ایک کارخانہ کھولا تھا۔ جہاں میں دوپہر کے وقت سبق ختم کر کے اپنے ہاتھ سے آہنگری یعنی لوہار کا کام سیکھتا تھا۔ اِس طرح میں نے بندوق سازی سیکھ کر اپنے ہاتھ سے پوری تین بندوقیں تیار کیں۔ یہ تینوں میرے معلموں کی بنائی ہوئی بندوقوں سے بہتر خیال کی جاتی تھیں۔"

ایک حاسد اور اِن کا قید میں پڑنا

عبدالرحیم خاں جس کا ذکر میں اُوپر کر چکا ہُوں۔ اُسے یہ دیکھ کر بہت حسد ہُوا۔ اِس لیئے اُس نے ایک دن والد سے کہدیا کہ میں نے شراب خوری اور گانجہ پینا شروع کیا ہے۔ میں نے دراصل کبھی یہ کام نہیں کیے تھے۔ مگر چونکہ عمر تھوڑی تھی۔ اور مجھے والد کے ہمیشہ ناراض ہونے سے نہایت رنج ہُوا کرتا تھا۔ میں نے بلخ سے ہرات بھاگ جانے کا ارادہ کیا۔ جہاں میرے خسر رہا کرتے

تے۔ میں خفیہ طور پر بغاوت کی تیاریاں کر رہا تھا۔ کہ میرے والد کو خبر ہوگئی۔ انہوں نے
معاملہ کی تحقیقات کرنے کے مجھے جھٹ قید کر دیا۔ اور میرے سپاہی اور غلام وغیرہ
سب مجھ سے چھین لئے۔ میری اس حماقت کی وجہ سے جو الزام عبدالرحیم نے
مجھ پر لگائے تھے۔ وُہ بھی صحیح معلوم ہونے لگے۔ پُورا ایک سال میں جیلخانہ
میں بیڑیاں پہن کر رہا۔ اور میری زندگی نہایت تلخ تھی۔

عبدالرحمٰن خاں سپہ سالار ہوتے ہیں

اسی ایک سال کے گذرنے پر شیر محمد خاں نے وفات پائی۔ عبدالرحیم کو یہ اُمید
تھی۔ کہ اُسکی جگہ اُسے ہی ملیگی۔ لیکن والد اُس سے بدظن ہوگئے تھے۔ اِس لئے
اُنہوں نے ایک اور آزمودہ کار اہلکار کو جسکا نام عبدالرؤف خاں تھا۔ سپہ سالار
مقرر کیا۔ مگر اُس نے انکار کر کے کہا۔ کہ ایک سال کی قید عبدالرحمٰن خاں کے
لئے کافی سزا ہوچکی ہے۔ اُسی کو شیر محمد خاں کی جگہ ملنی چاہئیے۔ اولاً تو والد نے
منظور نہ کیا۔ لیکن عبدالرؤف کے اصرار پر وُہ راضی ہوگئے۔ اور مجھے طلب کیا۔
مَیں سیدھا جیلخانہ سے بلا سر کے بال درست کئے یا مُنہہ دھوئے بیڑیاں پہنے
ہوئے اُسی پوشاک میں جس میں اُنہوں نے مجھے اخیر مرتبہ دیکھا تھا۔ والد کی خدمت
میں حاضر ہوا۔ مجھے دیکھتے ہی اُنکی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اور کہا "پھر تم کیوں
ایسی حرکتیں کرتے ہو؟" میں نے جواب دیا۔ کہ "مَیں بالکل بے قصور ہُوں۔ میری
اِس حالت میں ہونے کے بانی وُہ لوگ ہیں۔ جو اپنے تئیں آپ کا خیر خواہ ظاہر
کرتے ہیں"۔ یہ کہہ ہی رہا تھا۔ کہ عبدالرحیم دربار میں حاضر ہُوا۔ اِسے دیکھ کر مَیں نے
کہا۔ "یہی وُہ دغاباز شخص ہے۔ جس کی وجہ سے مجھے بیڑیاں نصیب ہوئیں۔
خدا جانتا ہوگا۔ کہ یہ سچ ہے یا نہیں"۔ یہ سُنکر عبدالرحیم کا چہرہ غصّہ اور گھبراہٹ
سے بگڑ گیا۔ وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

میرے والد نے تمام فوجی افسروں سے مخاطب ہوکر کہا۔ "اس حواس باختہ بیٹے کو میں تمہارا سردار کرتا ہوں"۔ سب نے جواب دیا۔ خدا نہ کرے۔ کہ حضور کا بیٹا پاگل ہو۔ ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ وہ نہایت عقلمند اور سمجھ دار ہے۔ اس کے بعد والد نے مجھے رخصت کیا۔ میں خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ آتے ہی حمام کیا۔ میرے ملازم بھی آپہنچے اور چاروں طرف سے مبارکباد کی صدائیں آنے لگیں۔

امیر صاحب کا کلام پاک پر اعتقاد

امیر صاحب ایک اور عجیب وغریب واقعہ لکھتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں کلام پاک پر پورا پورا بھروسہ تھا:-

"دسمبر ۱۸۸۸ء کو مزار شریف پر جب میں اپنے رسالوں کا معائنہ کررہا تھا۔ تو ایک سپاہی نے مجھ پر بندوق چلائی۔ لیکن میں بال بال بچ گیا۔ اس بال بال بچنے کا راز ایسا راز تھا۔ جس نے ہر ایک کو حیران کردیا۔ کیونکہ اس گولی سے اس کرسی کے عین وسط میں ایک سوراخ ہوگیا۔ کہ جس پر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور بجائے اس کے کہ گولی میرے جسم میں لگتی۔ وہ ایک غلام کو جالگی۔ جو میرے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ سچ ہے جسے خدا بچانا چاہتا ہے۔ اُسے کوئی نہیں مار سکتا۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں۔ کہ میرا بچنا ایک اور وجہ سے بھی تھا۔ جو ذیل کے واقع سے ظاہر ہے:-

"جب میں ابھی بچہ ہی تھا تو مجھے معلوم ہوا۔ ایک پاک آدمی کے پاس ایک تعویذ ہے۔ جسکو پہننے سے آدمی پر تلوار یا بندوق وغیرہ کچھ اثر نہیں کرسکتے۔ پہلے تو مجھے یقین نہ آیا۔ اس لئے میں نے اس سے ایک تعویذ لیکر ایک بھیڑ کے گلے میں باندھا۔ اور اگرچہ میں نے بھیڑ پر کئی گولیاں چلائیں مگر اُسے ایک نے بھی کچھ ضرر نہ پہنچایا۔ اس سے مجھے اس پر یقین ہوگیا۔ چنانچہ اُسوقت سے یہ

تعویذ میرے دائیں بازو میں بندھا ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے۔ کہ گولی میرے جسم کو چھید کر گذری ہوگی۔ مگر اُس نے اس تعویذ کے اثر سے مجھ پر کچھ اثر نہیں کیا۔"

امیر صاحب نے لکھنا کس طرح سیکھا

امیر عبدالرحمٰن خاں ایک اور دلچسپ واقع بیان کرتے ہیں۔ کہ جس میں انہیں لکھنا خود بخود آگیا۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ "ایک روز میں دربار لگائے بیٹھا تھا۔ کہ مجھے ایک خط میری منگیتر (امیر اعظم خاں کی دختر) کی طرف سے ملا۔ قاصد کو اُس نے ہدایت کر دی تھی۔ کہ میرے سوائے خط اور کسی کو نہ ملے۔ اور میں ہی اس خط کو اپنے ہاتھ سے لکھ کر اپنی مُہر لگا دُوں۔ لیکن جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ مجھے نوشت وخواند سے سخت نفرت تھی۔ مجھے اسوقت سخت مایوسی ہوئی۔ میں اپنے آپ کو لعنت وملامت کرنے لگا۔ کہ میں اپنے آپ کو ایسا لائق اور قابل شخص خیال کرتا ہوں بحالیکہ حقیقت میں میں بالکل ناخواندہ ہوں۔ اس رات سونے سے پہلے میں بہت دیر تک رویا کیا۔ اور گڑگڑا کر خدا کی حضور میں دعا مانگتا رہا۔ "یا خداوند کریم۔ میرے دل میں ایک ایسی روشنی بھیج۔ کہ جس سے میں اچھی طرح پڑھ اور لکھ سکوں۔ مجھے اُمید ہے۔ کہ تو مجھے اپنی مخلوق کے سامنے شرمندہ نہیں کریگا"۔ روتے روتے مجھے صبح ہوگئی۔ اور یکایک نیند آگئی۔ میں نے ایک مقدس بزرگ کو عصا ہاتھ میں لئے ہوئے اپنے سرہانے کھڑا ہوا پایا۔ جس نے مجھ سے کہا۔ "عبدالرحمٰن۔ اُٹھ اور لکھ"۔ میں چونک کر اُٹھ بیٹھا۔ اور کسی کو وہاں موجود نہ پاکر پھر سو گیا۔ اور اُسی شکل نے پھر نمودار ہو کر کہا۔ "میں کہتا ہوں لکھ۔ اور تو بجائے اس کے سوتا ہے"۔ میں پھر جاگا۔ اور کسی کو وہاں نہ پاکر پھر سو گیا۔ تیسری مرتبہ وُہ مقدس بزرگ پھر میرے سرہانے آکھڑا ہوا۔ اور غصہ میں آکر کہنے لگا۔ "اگر تو پھر سوئیگا۔ تو اس عصا کو تیرے سینہ میں گھونپ دونگا"۔ میں خوف زدہ ہو کر اُٹھا۔ نوکروں کو قلم دوات اور کاغذ لانے کا

حکم دیا۔ اور جب لکھنے بیٹھا۔ تو مجھے بچپن کے پڑھے ہوئے تمام لفظ یکے بعد دیگرے یاد آگئے۔ اور سورج نکلنے سے پہلے میں نے ساٹھ ستر سطروں کا ایک خط ختم کر لیا۔ دوبارہ پڑھنے پر مجھے اس میں بہت سی غلطیاں معلوم ہوئیں۔ پھاڑ کر سارے خط کو از سر نو لکھا۔ جس سے میں جامے میں پھولا نہ سمایا۔ جب دربار کا وقت آیا۔ تو سکرٹری حسب معمول کاغذات لیکر میرے پاس آیا۔ تاکہ مجھے پڑھکر سُناوے۔ لیکن میں نے اُسے کہا۔ میں تمام خطوط بذات خود پڑھونگا۔ سکرٹری مُسکرا کر کہنے لگا "لیکن حضور تو پڑھ نہیں سکتے"۔ اس پر میں نے ایک خط کھولا۔ اور سکرٹری کو پڑھ کر سُنایا۔ اسی طرح ہم نے دو سو خطوط پڑھے۔ اور ایک سو کا جواب دیا۔ اُس روز میں نے بہت سا روپیہ خیرات میں تقسیم کیا۔

اس واقعہ سے نتیجہ نکل سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص عہد کرلے کہ فلاں کام میں ضرور کرلوں گا اور اُسے اپنے آپ پر پُورا بھروسہ ہو تو قوت ارادہ کی مضبوطی سے وُہ کیسے کیسے عجائبات کر سکتا ہے۔

امیر عبدالرحمٰن خاں ایسے جفاکش اور محنتی تھے۔ کہ بیماری کی حالت میں بھی وُہ اپنے فرائض منصبی برابر انجام دیتے رہتے تھے۔ چنانچہ وُہ لکھتے ہیں کہ مُیں نے ایک معمولی مزدُور یا کاریگر سے بھی زیادہ جفاکشی سے کام کیا ہے۔ میں نے ہمیشہ شب و روز کسی نہ کسی کام میں اپنے تئیں مشغول رکھا۔ اور چند گھنٹے سے زیادہ نہیں سویا۔ اگر میں بہت سخت بیمار بھی ہوتا ہوں۔ یہاں تک کہ اپنے پلنگ سے حرکت نہ کرسکوں۔ تب بھی میں حسب معمول کام میں مصروف رہتا ہوں۔ اور سرکاری کاغذات کو پڑھتا ہوں۔ میں نے اپنے امرا وغیرہ سے کئی دفعہ کہا ہے۔ کہ اگر میرے ہاتھ پاؤں جواب دیدینگے۔ تب بھی میں کام کرنا نہیں چھوڑونگا۔ مجھے کام کرنے سے تکلیف نہیں ہوتی۔ بلکہ مجھے کام سے

عشق ہے۔ اور کبھی تھکتا نہیں کیونکہ مجھے محنت سے محبت ہے۔
ایک اور جگہ اپنی محنت اور مصرُوفیت کے بارہ میں لکھتے ہیں "میرے سونے یا کھانے کا وقت معیّن نہیں ہے۔ بارہا ایسا ہوتا ہے۔ کہ کھانا میرے سامنے میز پر پہروں رکھا رہتا ہے۔ اور میں اپنی فکر میں ایسا غرق ہوتا ہُوں کہ اُسے بالکل بھُول جاتا ہُوں۔ اکثر راتوں کو مَیں پڑھا کرتا ہُوں۔ اور خطوں کے جواب لکھتا ہُوں۔ اور جب تک رات گذر کر صبح نہ ہولے سر نہیں اُٹھاتا ...... شب و روز کے چوبیس گھنٹوں میں میرے کام کے لئے کوئی وقت معیّن نہیں ہے۔ مَیں صُبح سے شام تک اور شام سے صبح تک مثل ایک مزدُور کے کام کرتا رہتا ہُوں۔ جب بھُوک لگتی ہے۔ کھانا کھا لیتا ہُوں۔ بلکہ مجھے یاد ہے کہ کئی کئی دن بغیر کھائے گذر جاتے ہیں۔ کھانا بالکل بھُول ہی جاتا ہے۔ اور میز سے سر اُٹھا کر حاضرین دربار سے پُوچھتا ہُوں۔ کہ آج مَیں نے کھانا کھایا یا نہیں"۔

غرض امیر عبدالرحمٰن خان مرحُوم کا قول تھا۔ "کہ خُدا نے مجھے اِس لئے پَیدا کیا ہے۔ کہ اُس کے مخلوق کی حفاظت کروں۔ جو میرے سپُرد ہُوئی ہے۔ نہ اِس لئے کہ اپنا وقت عیش و عشرت میں گذاروں۔ میری سب سے بڑی خوشی یہی ہے۔ کہ اُس کی راہ میں ہمیشہ کاروبار میں مصرُوف رہُوں"۔ ہر ایک نوجوان جو بڑا ہو کر کچھ کام کرنا چاہتا ہے اُسے محنت کرنیکا سبق افغانستان کے اس محنتی بادشاہ سے سیکھنا چاہئیے ✦

اخلاق و آداب

خوبصورتی کا نسخہ

اِس خوبصورت دُنیا میں ایک شخص بھی ایسا نہ ہوگا۔ جسے خوبصورت بننے کی خواہش نہ ہو۔ ہر ایک بشر خواہ مرد ہو یا عورت لڑکا ہو یا لڑکی۔ یہی چاہتا ہے۔ کہ میرا چہرہ خوبصورت ہو۔ میرے خط و خال نہایت پسندیدہ ہوں۔ اور واقعی خوبصورتی ایک بے بہا دولت ہے۔ جس کے حاصل کرنے کے لیئے لوگ بہت کوشش کرتے ہیں۔

جب ایک ننھی سی لڑکی گڑیا لیکر بیٹھتی ہے۔ تو اُس کا اختیار ہوتا ہے۔ کہ سوئی اور تاگے سے اُس کی آنکھیں بڑی بنا دے۔ مُنہہ کو اچھا بنا دے یا بُرا۔ دو تین ٹانکوں سے اُسکو ہنس مکھ بنا دے۔ یا اُسکی شکل رونی بنا دے۔ بچّوں کے چہرے بھی گڑیا کے چہروں کی طرح ہیں۔ اِن کا اچّھا یا بُرا بنانا بھی بچّوں کے اپنے ہی اختیار میں ہے۔ اگر وُہ چاہیں۔ تو اپنے چہروں کو خوشنما بنا سکتے ہیں۔ اور اگر چاہیں۔ تو بدنما بھی بنا سکتے ہیں۔

بچّو! تم کیسے چہرہ کو پسند کرتے ہو؟ یقیناً خوشنما چہرہ کو۔ تو پھر تمہیں اپنے چہروں کو خوبصورت بنانے میں دیر نہ کرنی چاہیئے۔ جس طرح گڑیا کے چہرہ میں ٹانکے لگائے جاتے ہیں۔ اِسی طرح بچّوں کے چہروں میں بھی لمبے لمبے تار سے لگے ہوئے ہیں۔ جن کو اصطلاح میں عضلات یعنے پٹھے کہا جاتا ہے۔ ہمارے دِل میں جس طرح کے خیال گذرتے ہیں۔ اُسی طرح یہ عضلات چہرہ کو کھینچ تان لیتے ہیں۔ اگر

تمہارے دل میں خوشی کے خیالات ہیں - تو یہ عضلات چہرہ کو خوبصورت اور خوشنما بنا دیتے ہیں - اور اگر رنج کے خیالات ہیں - تو یہ چہرہ کو غمگین بنا دیتے ہیں - لیکن اگر تم غصہ میں ہو - تو پھر تمہارا چہرہ کیسا بنجاتا ہے ؟ تمہارا چہرہ ایسا بدنما بنجاتا ہے - کہ آئینہ میں دیکھو - تو آئندہ تم غصہ ہونے کا کبھی نام بھی نہ لو - ایک ہفتہ گذرا ہے - میں نے دو بچوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھا - ان عضلات نے اُنکے چہروں کو نہایت بدصورت بنا دیا تھا - غرور اور شیخی - حسد اور شرارت ان میں سے ہر ایک چہرے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں - اور اسکو بگاڑ دیتے ہیں - لیکن شرافت - مہربانی - نیکی اور محبت یہ سب چہرے کو نہایت خوبصورت بنا دیتے ہیں -

ہر بار جب یہ عضلات خیالات کے زور سے چہرہ کو کھینچتے ہیں - تو سخت ہو جاتے ہیں - پس اگر تمہاری طبیعت میں غصہ بھرا ہوا ہے - یا تم بدمزاج رہتے ہو - تو آہستہ آہستہ اِن عضلات کے ہمیشہ ایک ہی طرف کھینچتے رہنے سے تمہارا چہرہ اُسی شکل کا ہو جائیگا - اور لوگ تمہیں دیکھتے ہی کہہ اُٹھینگے کہ یہ بڑا بدمزاج آدمی معلوم ہوتا ہے -

کہتے ہیں - کہ ایک شہزادی ہمیشہ غصہ سے بھری رہتی تھی - آہستہ آہستہ اُسکا چہرہ ایسا بدنما ہو گیا - کہ اُس نے بدصورتی کو چھپانے کے لئے چہرہ پر روغن لگا لیا - مگر صورت کسی طرح بھی نہ بدلی - اگر تم بھی اُس شہزادی کی طرح بننا چاہتے ہو تو تم بھی ہمیشہ غصہ میں بھرے رہا کرو - لیکن اگر تم خوبصورت بننا چاہتے ہو - تو دل میں کبھی بُرا خیال نہ آنے دو - کیونکہ نیکی - محبت - شرافت وغیرہ ہی ایسی چیزیں ہیں - جو چہرہ کو خوبصورت بناتی ہیں - اور یہی خوبصورتی کا نسخہ ہے - آزما لو ❖

نوشت و خواند

خشکی اور تری

۱۔ اگر میں ایک لڑکے سے پوچھوں۔ کہ زمین اصل میں کیا چیز ہے؟ تو وُہ کہہ سکتا ہے۔ کہ "زمین اصل میں پانی ہے۔ جو اس قدر دُور تک پہنچا ہوا ہے کہ میری نظر وہاں نہیں پہنچ سکتی۔ اور پانی کے قریب تھوڑی سی خشکی بھی ہے"۔

۲۔ ایک دُوسرا لڑکا شاید یہ کہے۔ کہ "زمین اصل میں خشکی ہے۔ جو سبزہ زاروں۔ درختوں اور پھولوں سے ڈھنپی ہوئی ہے"۔

۳۔ یا ممکن ہے۔ ایک اَور لڑکا یہ جواب دے۔ کہ زمین کی سطح بڑے بڑے پہاڑوں۔ خوبصورت دریاؤں اور جھیلوں سے پُر ہے"۔

۴۔ ایک اَور لڑکا اس کے جواب میں کہہ سکتا ہے۔ کہ "زمین کی سطح پر کوئی دریا ہے نہ پہاڑ۔ نہ کوئی سبزہ زار اور نہ کوئی جھیل۔ بلکہ وُہ صرف دوکانوں۔ بازاروں۔ گھروں۔ آدمیوں۔ گھوڑوں اور گاڑیوں سے پُر ہے"۔

۵۔ غرض ہر ایک لڑکا اُسی مقام کا ذِکر کریگا۔ کہ جہاں وُہ رہتا ہے۔ مثلاً جو لڑکا سمندر کے قریب رہتا ہے۔ وُہ کہیگا۔ کہ زمین پانی ہی پانی ہے جو سرسبز جنگلوں میں رہتا ہے۔ وُہ کہیگا۔ کہ زمین درختوں اور پھولوں سے ڈھنپی ہُوئی ہے۔ جو پہاڑ میں رہتا ہے۔ وُہ کہیگا۔ کہ زمین پہاڑوں اور دریاؤں سے پُر ہے۔ اور جو کسی بڑے شہر میں رہتا ہے۔ وُہ کہیگا۔ کہ زمین پر آدمیوں گھوڑوں۔ مکانوں اور بازاروں کے سوا اَور کچھ نہیں ہے۔

۶۔ اِن جوابوں سے ایک بات ہمیں بخوبی معلوم ہوتی ہے۔ کہ زمین کی سطح مختلف چیزوں سے پٹی ہے۔ لیکن ایک بڑی چیز جو ان جوابوں سے معلوم ہوتی ہے۔ یہ ہے۔ کہ سطح زمین کا کچھ حصہ خشکی سے پُر ہے۔ اور کچھ حصہ پانی سے۔

۷۔ زمین کے خشکی والے حصے پر ہم شہر اور گاؤں بساتے ہیں۔ مکان تعمیر کرتے ہیں۔ غلّہ بوتے ہیں۔ اور درخت لگاتے ہیں۔ اور زمین کی تری والے حصے پر ہم جہاز اور کشتیاں چلاتے ہیں۔ اور اُنکے ذریعہ سے ایک مُلک سے دُوسرے مُلک تک پہنچتے ہیں۔

یاد رکھو۔ زمین کی بیرونی سطح خشکی اور تری سے پُر ہے۔

خشکی اور تری

بچے وہی کرتے ہیں۔ جو تمہیں کرتے دیکھتے ہیں

لڑکوں کی حالت رُوحانی ہو یا جسمانی بعینہٖ ایک نئے اُگے ہوئے پودے
کی مانند ہوتی ہے۔ جسے ہم جدھر چاہیں پھیر سکتے ہیں۔ مثلاً جب درخت
ابھی چھوٹا سا ہوتا ہے۔ تو ایک چھوٹا سا بچہ بھی اپنی تھوڑی سی طاقت
کے ساتھ اُسے جدھر چاہے موڑ سکتا ہے۔ اور جدھر چاہے جھکا سکتا ہے۔
لیکن جب درخت بڑا ہو گیا۔ تو پھر اُس کو خم دینا انسانی طاقت سے باہر ہوتا ہے
اِسی طرح لڑکوں کے دِل اور دماغ کی بھی قریب قریب یہی حالت ہے بچپن
میں اُس کو جس قسم کی تعلیم دیجائیگی۔ وُہ بڑا ہو کر ویسے ہی کام کریگا۔ جس
قسم کا اثر اس کے اخلاق۔ عادات اور خیالات پر بچپن میں ڈالا جائیگا۔ وُہی
اثر اس کے دِل اور دماغ پر پُورا پُورا قبضہ پالیگا۔ اور بڑے ہو کر بھی اُس کے
وُہی خیالات اور عادات ہونگے۔ اِس کی ایک مثال یہ ہے۔ کہ ایک دفعہ ایک باپ
اور اُس کا بیٹا ریل گاڑی میں سوار تھے۔ کہ باپ نے تمسخر کے خیال سے بیٹے
کی ٹوپی اُتار کر چھپالی اور اس پر ظاہر کیا کہ کھڑکی سے باہر پھینک دی ہے۔ تھوڑی
دیر کے بعد سیٹی بجائی اور ٹوپی نکال کر بچہ کے حوالہ کر دی۔ لڑکا اُسوقت تو چپکا
ہو رہا۔ مگر جب اُس کے باپ کا خیال کسی اور طرف ہو گیا۔ تو اُسنے بھی اُس کی
ٹوپی اُتار کر ریل کی کھڑکی سے باہر پھینک دی۔ اور جب باپ نے جھنجھلا کر
کہا کہ کمبخت تم نے یہ کیا غضب کیا۔ تو بچے نے بھولا پن سے کہا کہ ذرا ٹھہرو۔
ابھی سیٹی بجا کر ٹوپی منگوا دیتا ہوں۔ اسی طرح ذیل کے واقعہ سے بھی یہی ثابت
ہوتا ہے۔ کہ بچے جو کچھ تمہیں ایک دفعہ کرتے دیکھ لیں۔ وُہی سیکھ جاتے ہیں
اور پھر اُس کام کے ایسے عادی ہو جاتے ہیں۔ کہ اُس کا چھوٹنا محال ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ چند دوست دِل لگی سے اپنے ایک دوست کو جو سوتے ہُوئے تھے۔ ناک میں کاغذ کا فتیلہ دیکر جگا رہے تھے۔ اتفاقاً ایک چھوٹا لڑکا بھی اِس ناشائستہ حرکت کو دیکھ رہا تھا اُس نے سمجھا۔ کہ جگانے کی یہی ترکیب ہے۔ اس واقعہ کے چند دِن بعد ایسا اِتّفاق ہُوا۔ کہ اُس لڑکے کو ایک نوکر کے جگانے کے لئے بھیجا گیا۔ لڑکے کو جگانے کا وُہی ڈھنگ یاد آگیا۔ اُسے کاغذ تو نہ ملا۔ کہ وُہ بتّی بناکر نوکر کو جگاتا۔ ایک لوہے کی کیل وہیں پڑی ہُوئی تھی۔ اُس نے اِسی سے کاغذ کی بتّی کا کام لینا چاہا۔ چنانچہ جب اس نے یہ کیل نوکر کی ناک میں گھُسیڑ دی۔ تو فوراً خون کا فوارہ جاری ہوگیا۔ اور نوکر چلّا کر اُٹھ بیٹھا۔ جب لڑکے سے اِس حرکت کا سبب پُوچھا گیا۔ تو اُس نے بھولے پن سے کہدیا۔ کہ جگانے کی یہی تو اچھّی ترکیب ہے مَیں نے کوئی بیجا بات تو نہیں کی۔

اِس قصّہ سے غرض یہ ہے۔ کہ لڑکپن میں بچّوں کو جیسی باتیں سکھلائی جائینگی وُہی اُن کے دِل پر پتھّر کی لکیر ہو جائینگی۔ اور پھر ان کا اُن کے دِل سے دُور کرنا بالکل محال ہو جائیگا ◆

حُسنِ فطرت

نتیجہ طبع جناب مولوی محمد اسلم صاحب اسلم جراجپوری اعظم گڑھ

اے صانعِ جسم و جانِ اِنساں ‏ ‏ صنعت پہ ترے مَیں جاؤں قُرباں

تو نے چیزیں بنائیں کیا کیا؟ ‏ ‏ ہے پھُول کہیں۔ کہیں ہے کانٹا

صحرا کہیں لق و دق ہے سُنساں ‏ ‏ جنگل جھاڑ ہے کہیں ہیں گنجان

دیکھو تو پہاڑ وُہ بڑا ہے ‏ ‏ کس طرح زمین میں جڑا ہے

نیچے وُہ درخت ٹکے ہیں انبوہ کیسا ہے سبز دامن کوہ
ندی کا سے وہیں کنارا کس زور سے بہ رہا ہے دھارا
بل کھائے ہوئے وُہ موجیں اُسکی کس لُطف سے دیکھئے ہیں جاری
برسات کی رُت ہے کیا فضا ہے پانی چھم چھم برس رہا ہے
گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں پانی برساتی جا رہی ہیں
دل پر چلا آتا ہے نیا دل ہر سمت برس رہا ہے بادل
ہر چیز کی میل دھو گئی ہے دُنیا سب صاف ہو گئی ہے
دھقان دیہات کے مگن ہیں خوش وقت تمام مرد و زن ہیں
کھیتوں میں ہل چلا رہے ہیں اور دھن میں ملار گا رہے ہیں
شاداب ہیں کوہ و دشت و صحرا کوسوں پھیلا ہُوا ہے سبزا
دریا تالاب سب ہیں لبریز بارش کا سماں ہے کیا دلآویز
زندہ ہُوئی سب زمیں خدا کی ہے جوش پہ تازگی ہَوا کی

بارش گئی اور جاڑا آیا ساتھ اپنے نیا سماں وُہ لایا
اب وُہ جھونکے نہیں ہَوا کے بجلی کے گئے وُہ سب کڑا کے
سردی کا عمل جہاں میں چھایا موسم کی پلٹ گئی ہے کایا
اب دھوپ ہُوئی ہے سب کو پیاری جاڑے سے ہوئے ہیں لوگ عاری
کمل اوڑھے کوئی کھڑا ہے اور کوئی آگ تاپتا ہے
چڑیاں ہیں گھونسلے میں دبکی جاڑے سے فنا ہے رُوح سب کی
جلتے ہیں الاؤ جا بجا خوب سردی سے ہُوئی ہے آگ مرغوب
کیا دھقان کا کھیت خوشنما ہے کس لُطف سے خوشہ جھومتا ہے

قطرے شبنم کے کیا پڑے ہیں — موتی گویا جڑے ہوئے ہیں
پڑتی ہے خوب رات بھر اوس — ہے برف جمی ہوئی کئی کوس

وہ آیا بہار کا زمانہ — فطرت کا کھل گیا خزانہ
گلشن سے خزاں کا اُٹھ گیا دَور — اب چھا گیا اُس پہ کچھ سماں اَور
ڈالی ڈالی چمن کی شاداب — چشمِ نرگس میں اب نہیں خواب
جھونکا بادِ صبا کا آیا — کس ناز سے غنچہ مسکرایا
دیکھو تو چمن کی ڈالی ڈالی — ہر پھول میں ہے اَدا نرالی
سبزہ صحنِ چمن میں کیا ہے — مخمل گویا بچھا ہوا ہے
سنیئے بلبل کے شادیانے — کس ناز سے گاتی ہے ترانے
گلشن میں نسیم چل رہی ہے — یا کوئی پری ٹہل رہی ہے
ہر ایک کی تازہ ہو گئی روح — ہے مست طرب ہر ایک ذی روح
چھائی ہوئی ہے بہار ہر سو — ہیں جوش پہ برگ و بار ہر سُو
قدرت نے کیا زمیں کا گھر سبز — پتے پتے ہوئے ہیں سر سبز
کہسار میں لالہ زار کا لطف — جنگل میں بھی ہے بہار کا لطف
سنیئے کچھ پتے کی زبانی — کہتا ہے کس کی یہ کہانی
گوید بزبانِ حال مارا — شایاں حمد است مر خدا را

لمبے لمبے اب آ گئے دن — گرمی میں دنوں کے بڑھ گئے سن
پڑتی ہے دن کو کیا کڑی دھوپ — صحرا نے لیا ندی کا بہروپ
لو چلتی ہے چار سو جہاں ہیں — دبکے ہوئے لوگ ہیں مکاں میں

شدت پہ ہوئی ہوا کی گرمی — لگتی ہے گھروں میں خس کی ٹٹی
بکتی ہے برف کوبکو اب — سب کو ہوئی اس کی جستجو اب
موسم کا بدل گیا قرینا — آتا ہے پسینے پر پسینا
پنکھے چلتے ہیں رات دن اب — گرمی پڑنے لگی ہے بیڈھب
گرمی سے جھلس گیا ہے سبزا — پتے پتے کا رنگ بگڑا
ایسی ہوئی دھوپ کی تمازت — ہر چیز کی اڑ گئی ہے رنگت
دن کو رہتی ہے خوب گرمی — ہے شب کو بہار چاندنی کی

فطرت کے ہیں سو طرح کے انداز — ہر ایک کا ہے جدا جدا ساز
سو طرح کے جانور بنائے — ماہی و طیور و چار پائے
ہے پیٹ کے بل سے ایک چلتا — اک پاؤں کے بل سے ہی سنبھلتا
ہے ایک جو نر تو ایک مادہ — ہے ایک کی شاخ ایک سادہ
کوئی کھانے کے کام آئے — کرتے ہیں کسی سے ہم کمائے
ہوتے ہیں سوار ہم کسی پر — پیتے ہیں کسی کا دودھ لیکر
چڑیاں ہیں کیسی کیسی خوش رنگ — ہر ایک کا ہے جدا جدا ڈھنگ
بلبل گاتی ہے رات کو خوب — ہے سب کو ترانہ اُس کا محبوب
کوئل کی ہے کیا نفیس آواز! — ہے اُس میں عجیب ایک انداز
دن کام کو سونے کو بنی رات — ہر شے میں نیا سماں نئی بات
چھائی ہوئی آج ہے اندھیری — اور کل کی رات چاندنی تھی
دیکھو تو فلک کا مطلع صاف — کیسا نظر آتا ہے وہ شفاف؟
چھٹکے ہوئے آسماں پہ تارے — ہیں کیسے کیسے پیارے پیارے

کس درجہ بلند آسماں ہے — کیسی دلچسپ کہکشاں ہے
انساں کو دیا دماغ حق نے — اس گھر میں دیا چراغ حق نے
آنکھوں میں روشنی عطا کی — ہے کیسی شان کبریا کی ؟
دل سوچنے کو دیا خدا نے — اس میں بھرے علم کے خزانے
شکریہ کے واسطے زباں دی — اور اس میں طاقت بیاں دی
واجب ہے خدا کا شکر اسلم
جس نے پیدا کئے یہ عالم

ورزش اور کھیل

کھیل کود کے فائدے

اس بات کو بہت زیادہ عرصہ نہیں گذرا۔ کہ لوگ کھیل کود اور خاصکر تفریح و تماشہ کو نہ صرف تضیع اوقات ہی خیال کرتے تھے۔ بلکہ اسے اخلاق بگاڑنے والا اور خلافِ تہذیب کام سمجھتے تھے۔ لیکن کھیلنے کی قدرتی خواہش تمام اعلیٰ حیوانوں کے بچوں میں پائی جاتی ہے۔

کھیلنا نشو ونما کے لئے ضروری ہے

کھیل کے ذریعہ سے ہم اعلیٰ اور ادنیٰ درجہ کے حیوانوں میں تمیز کر سکتے ہیں اور اس سے ہمیں معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ فلاں حیوان تربیت پذیر ہے یا نہیں۔

مچھلی بالکل نہیں کھیل سکتی۔ ادنیٰ درجہ کے دُودھ پلانے والے جانور کھیلنا نہیں سیکھ سکتے۔ اور پرندوں میں یہ مادہ ہی قدرت نے نہیں رکھا۔ لیکن پلوٹے اور بڑے بڑے کھلاڑی ہوتے ہیں۔ اور اگر سچ پُوچھا جائے تو نوعِ انسان یعنے لڑکے اور لڑکیاں اصلی کھلاڑی ہیں۔ اور فی الحقیقت وُہ کھیل ہی ہے کہ جس سے بچے نشو و نما پاکر مرد کہلا سکتے ہیں۔ ایک مشہور و معروف ڈاکٹر صاحب جن کا نام ہچنسن ہے۔ کہتے ہیں۔ کہ بچے بے ڈول بتوں کی صُورت میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور کھیل کے ذریعہ سے وُہ خوبصورت شکل اختیار کر لیتے ہیں۔" ڈاکٹر صاحب کی مراد اس سے یہ ہے۔ کہ بچوں کو اگر کھیل و کُود کا عادی نہ بنایا جائے۔ تو وُہ خاطر خواہ نشو و نما نہیں پا سکتے۔ یعنے جب یہ پیدا ہوتے ہیں۔ تو انکی حالت بے ڈول گٹھڑی کی سی ہوتی ہے۔ لیکن کھیلنے سے ان کی حالت بالکل درست ہو جاتی ہے۔

بچّوں کی کھیل و کُود کی منزلیں

ڈاکٹر صاحب موصُوف بچوں کے زمانۂ طفلی کو چھ منزلوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلی منزل میں وُہ چمکدار چیزوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ اور دُوسری میں انکو پکڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ اُس کے بعد وُہ گول اشیا سے ایسی ہی دلچسپی لیتا ہے۔ جیساکہ ایک بلّی کا بچّہ گیند سے خوش ہوتا ہے۔ اس کے بعد کی منزل میں وُہ اپنے آپ کو دروازوں کے پیچھے چھپاتا ہے۔ اور جب کوئی شخص وہاں سے گذرنے لگتا ہے۔ تو اُسے کمین گاہ سے اچانک نکل کر ڈرانے کی کوشش کرتا ہے۔ یا اُسے پکڑ لیتا ہے۔ اس کے بعد سب سے آخری منزل آتی ہے۔ جبکہ وُہ اپنی جیبوں کو بھر کر اُنہیں اور لڑکوں کے

آگے فروخت کرتا ہے۔

اگر غور کیا جائے۔ تو یہ چھ عہد طفلی کی منزلیں مردانہ کاروبار سے بہت ملتی ہیں۔ مثلاً بچوں کا چمکدار چیزوں کو پکڑنے کی کوشش کرنا اور پھر گول اشیاء سے دلچسپی رکھنا ایک طرح پر پودے لگانے اور اُن سے پھل حاصل کرنے کے مانند ہے۔ اِس کے بعد دروازوں کے پیچھے چھپنا اور گذرنے والے لوگوں کو پکڑنا ایک قسم کا گھات لگانا اور شکار پکڑنا ہے۔ پھر سنگریزوں کا جیب میں بھر کر فروخت کرنا ایک قسم کی بچپن کی سوداگری ہے۔ اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ کھیلنا کوئی بیکار چیز نہیں ہے۔ بلکہ جس طرح بڑے ہوکر لوگوں کو کاشتکاری۔ زراعت۔ شکار اور تجارت وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ اُسی طرح بچوں کو بھی کھیل کُود کی ازحد ضرورت ہوتی ہے۔

ورزش اور کھیل کو رواج دینا چاہئیے

جب بچہ کھیلتا ہے۔ تو وُہ ایک طرح پر اپنے دماغ یا ذہن کو ترقی دیتا ہے اس لئے ہم سب کو اس بات کو تسلیم کرلینا چاہئیے۔ کہ لڑکے یا لڑکی کا کسی تقویت بخش اور دِل پسند کھیل میں مصروف ہونا ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ ایک نہایت مفید علمی کام سرانجام دینا ہے۔ اِس لئے کھیل کود کو نہایت کثرت سے رواج دینے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ اور اگر تیس روپے مدرسہ کی عمارت پر خرچ کئے جاتے ہیں۔ تو کم از کم ایک روپیہ پلے گراؤنڈ یعنے کھیل کود کے میدان پر صرف کرنا چاہیئے۔

غرض کھیل وکُود اور ورزش کو پڑھائی کا جزو اعظم تصوّر کرنا چاہیئے۔ اور اب پُرانے خیال کو چھوڑ کر نئے خیال کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ کیونکہ

کھیل ہی حقیقت میں ایک ایسی چیز ہے۔ جو عالم شخص کو ٹھیک معنوں میں عالم اور ایک بچّے کو توانا بچّہ بنا سکتی ہے۔

امریکہ کی ایک یونیورسٹی کا چانسلر وہاں کے ایک اخبار میں ایک مضمون لکھتا ہوا بیان کرتا ہے کہ اگر اب مجھے پھر کسی کالج میں تعلیم پانے کے لیے بھیجا جائے تو میں سب سے زیادہ زور ورزش پر دُوں۔ کیونکہ ورزش سے نہ صرف جسمانی طاقت ترقی کرتی ہے اور آیندہ عمر کے لیے طاقت بحال ہوتی ہے بلکہ دماغی اور رُوحانی طاقت بھی اس سے مضبوط ہوتی ہے۔ ورزش کرنے والے بچّے نہ صرف طاقتور رہوتے ہیں بلکہ وُہ بیمار کم ہوتے ہیں اور انکی بیماری زیادہ عرصہ تک نہیں رہتی۔ اس عالم شخص کا خیال ہے کہ ورزش کے میدان میں بچّے سچائی اور دیانت داری سیکھ سکتے ہیں۔ اپنے حریفوں سے بازی جیتنے کے وقت انہیں بڑے صبر۔ استقلال اور محنت سے کام کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ مردانہ سب باتیں آیندہ زندگی میں اُن کے بڑے کام آتی ہیں +

ملک الجزائر

افریقہ کی ریاستہائے الجیریا۔ ٹیونس مراکو اور ٹریپولی جو بحیرۂ روم کے سواحل پر واقع ہیں۔ اہل مراقش کی اولاد سے آباد ہیں۔ ان تمام ریاستوں کا مذہب اسلام ہے۔ ان کی تہذیب اور شائستگی نے اپنے یوروپین ہم قوموں کی تہذیب کا ساتھ نہیں دیا۔ مقدّم الذکر ابھی تک نئی روشنی کے سمندر کے کنارے پر ٹھنڈلا رہے ہیں۔ اور پرانی رسُوم ورواج اور طریق زندگی کے بند ورسن میں جکڑے ہوئے ہیں۔ وُہ سنجیدہ مگر تیز مزاج ہیں۔ عادات واطوار کوئی زیادہ درست نہیں ہیں

اُن کے جسم کی رنگت گندم گوُن یا سانولی ہوتی ہے - اور بدن نرم ہوتا ہے -

ملک الجزائر کی عورتوں کی تفریح

ان کے امرا کے مکانوں میں نہانے کے حوض ہر بڑے کمرے میں بنے ہوئے ہیں - کسی ہال میں داخل ہونے پر پہلی شاندار چیز جو تمہارے نظر پڑیگی - وُہ نہانے کا حوض ہوگا - ان حوضوں میں حرارت تیز رکھی جاتی ہے - دیوار کے ساتھ ساتھ گھاس کی چٹائیاں پڑی ہوئی ہیں - نہانے والا ان چٹائیوں پر کھڑا ہوتا ہے - پھر ایک خدمتگار اُس کا لباس اُتار کر اس کو ایک خاص قسم کا لباس پہناتا ہے - اور پاؤں میں کھڑاویں پہنا کر ایک اَور گرم تر حصّہ کے بیچوں بیچ لیجاتا ہے - جہاں وُہ نہاتا ہے -

تیوہاروں پر راگ ورنگ کے لئے تنبور سے بڑھ کر اَور کوئی چیز عام اور زیادہ نہیں ہوتی - ناچنے والی پیشہ ور لڑکیاں ہوتی ہیں - اُونچے گھرانوں میں سوزن کاری اور کشیدہ وغیرہ کا ڑھنا عام ہے -

شیر کا شکار یہ لوگ بڑے شوق سے کھیلتے ہیں۔ جس طرح ہندوستان میں شیر کا شکار کیا جاتا ہے۔ اُسی طرح الجیریا وغیرہ میں بھی کیا جاتا ہے۔ شکاری اُونٹوں یا ہاتھیوں کی پیٹھ پر بیٹھ کر شکار کھیلتے ہیں۔ یا نشانہ لگاتے وقت ٹیلوں کے پیچھے چھپے رہتے ہیں۔

شکاری شکار کھیل رہے ہیں

اِس حصّہ کی ندیاں غضب کی خوشنما اور دلفریب ہوتی ہیں۔ جب عالی نسل خاتونیں ندی کے خوبصورت پانی پر کشتی دوڑاتے ہوئے آبی پھولوں میں سے ہو کر گذرتی اور گاتی ہیں۔ تو عجیب لُطف پیدا ہوتا ہے۔ کئی سیاحوں کا قول ہے۔ کہ اُسوقت ایسا دلکش سماں آنکھوں کے آگے بندھ جاتا ہے کہ جو ایسے نازک خیال شاعر کے خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ کہ جس نے پھولوں کے سوا اور کسی چیز پر پرورش نہ پائی ہو۔

ایک ناشپاتی کس طرح مینڈک بن گئی

صنعت و حرفت اور تجارت

دیا سلائی کس طرح بنائی جاتی ہے

اِس بات کو تم ضرور جانتے ہو نگے۔ کہ زمانہ قدیم میں ہندوستان کیا تمام مہذب دُنیا کے لوگ چقماق پتھر اور فولاد کے ٹکڑے کے ذریعہ سے آگ جلاتے تھے۔ فولاد کے ٹکڑے کو پتھر پر مارنے سے جو شرارے پیدا ہوتے تھے۔ اُس سے تھوڑی سی روئی کو آگ لگا لیتے تھے۔ اور پھر اوپلے کو آگ لگا کر راکھ کے نیچے دبا دیتے تھے۔ تاکہ ہر روز نئے سرے سے پتھر اور لوہے کی تکلیف نہ اُٹھانی پڑے۔ بعض وحشی قومیں تو ابھی تک دو لکڑیوں کو آپس میں رگڑ کر آگ جیسی ضروری شئے حاصل کرتی ہیں۔ بعض دانا قوموں نے اِن وحشیوں سے یہ آگ جلانے کا نرالا طریق سیکھ کر اس پر اختراع کی اور ایک نئی ترکیب ایجاد کی۔ جس کے ذریعہ سے آگ نسبتاً آسانی سے حاصل ہو سکتی تھی۔

تم نے دیکھ لیا۔ کہ خواہ فولاد کو پتھر پر مارا جاتا تھا۔ اور خواہ لکڑی کو لکڑی پر رگڑا جاتا تھا۔ لوگوں کا مُدعا صرف یہ ہوتا تھا۔ کہ ایک سُرخ رنگ کی چنگاری یا شعلہ نمودار ہو۔ اور ہم اپنی ضروریات کو اس سے پورا کریں۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آگ کی ضرورت زمانہ قدیم سے ہی لوگوں کو رہی ہے۔ اور اس کے حاصل کرنے کے لئے کئی قسم کی تکلیفیں برداشت کی جاتی رہی ہیں۔ جب آگ ایسی ضروری چیز ہے۔ تو کس شخص کو اس امر کے یقین کرنے میں تامل ہو گا۔ کہ دیا سلائی کے تاجر اور کاریگر اِس سے بہت سا منافع اُٹھا رہے

ہیں - اور جو شخص اس نہائت منفعت بخش تجارت کو اختیار کریگا - اور دیاسلائی کے بنانے کا طریقہ سیکھ لیگا - اُسے کسی بات کی کمی نہ رہجائیگی -

یورپ کے کئی ملکوں میں دیاسلائی کے بڑے بڑے کارخانے ہیں - وہ ہر سال ہزاروں اور لاکھوں روپیہ کی دیاسلائیاں ہمارے ملک میں بھیجتے ہیں - جس سے انہیں بے حد منافع ہوتا ہے - جیسی یہ چھوٹی سی چیز مفید ہے - ویسا ہی اس کے بنانے کا عمل بھی بڑا دلچسپ ہے - بعض کارخانوں میں جس قدر لکڑی دیاسلائی بنانے میں صرف ہوتی ہے - وہ ملک کینیڈا سے تیار ہو کر آتی ہے - مگر زیادہ تر یہ لکڑی انہی کارخانوں میں کاٹی اور تیار کی جاتی ہے اس مطلب کے لیئے نرم لکڑی کی بڑی ضرورت ہے جو بآسانی کاٹی جاسکے - اور جلدی سے آگ کو بھی قبول کرسے - ہندوستان کے کاریگروں کی طرح یورپ کے ملکوں میں لکڑیاں آرہ کش نہیں چیرتے - بلکہ وہاں کلوں میں آرے لگا کر اُن سے چیرتے ہیں - جن سے ایک دن میں اتنا کام نکل سکتا ہے جو کوئی آدمی اپنے ہاتھوں سے کئی دنوں میں بھی نہ کرسکیں - اسی وجہ سے پیسے کی دو دو تین تین ڈبیاں بازاروں میں فروخت ہو جاتی ہیں - مگر تاہم انکے بنانے میں بڑی احتیاط سے کام لیا جاتا ہے - جس جگہ لال اور زرد رنگ کا مصالح جو سلائیوں کے سروں پر لگا ہوا ہوتا ہے - رکھا جاتا ہے - وہاں لکڑی کو مطلق نزدیک نہیں آنے دیتے - ورنہ آگ لگ جانے سے دم بھر میں لاکھوں کا نقصان ہو جائے - پہلے پہل لکڑی کے چھوٹے چھوٹے چورس ٹکڑے کاٹ کر انہیں ایک اور مشین میں ڈالا جاتا ہے - جس میں ایک تراشنے کا چاقو اور ایک جوڑہ باریک رندہ ہوتا ہے - چاقو چورس ٹکڑوں کی باریک اور پتلی پھانکیں کر دیتا ہے - اور رندے انہیں نہائت صفائی سے

صاف کر دیتے ہیں۔ جب یہ عمل ہو چکتا ہے۔ تو ان پھانگوں کو بنڈلوں میں باندھ کر ایک گرم کمرے میں خشک ہونے کے لئے رکھ دیتے ہیں۔ یہ کمرہ پہلے ہی سے اس مطلب کے لئے گرم رہتا ہے۔ یہ خشک شدہ بنڈل بعدازاں ایک اَور کمرے میں بھیجے جاتے ہیں۔ جہاں انہیں ایک چھوٹی سی خوبصورت مشین میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ مشین ہاتھ سے نہیں چلائی جاتی بلکہ سٹیم یعنے بھاپ کے زور سے خودبخود چلتی ہے۔ اور پھانگوں کو خودبخود لوہے کے فریموں میں بھر دیتی ہے۔ جنکے سروں کو بعدازاں پگلی ہوئی پیرافن (Paraffine) موم میں ڈبویا جاتا ہے۔

پھر ایک آدمی ان گٹھوں کو ہاتھ میں لیکر ایک باٹ سے ٹھونک کر انکے سروں کو یکساں کرتا ہے۔ اسوقت تک ان پھانگوں کی لمبائی معمولی دیاسلائیوں سے دُگنی ہوتی ہے۔ اس لئے انکے دونوں سروں کو مرکب مصالح میں ڈبویا جاتا ہے۔ اِس عمل کے تکمیل پر پہنچنے پر ان گٹھوں کو ایک اَور کل میں رکھا جاتا ہے۔ جو دیاسلائیوں کو ہر طرح صاف ستھرا کرکے ایک طرف سے خودبخود نیچے گراتی جاتی ہے۔ جہاں سے ایک چھوٹی سی لڑکی بڑی پھرتی سے اِنکو پکڑ پکڑ کر درمیان میں سے کل کے ذریعہ سے کاٹتی جاتی ہے۔ اور پھر انکو اس تیزی سے ڈبیوں میں بھرتی ہے کہ لوگ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں۔ یہ لڑکی اپنا کام ختم کر چکنے کے بعد ڈبیوں کو دوسرے کمرے میں پہنچا دیتی ہے جہاں انکو ایک ایک درجن کے پارسلوں میں باندھ کر فروخت کے لئے تیار کیا جاتا ہے یہ پارسل تم ہر روز عام دوکانوں اور گھروں میں دیکھتے ہو۔

لیکن میں نے یہ بھی سُنا ہے کہ یورپ اور امریکہ میں اب دیاسلائی کی کلوں نے اتنی ترقی کی ہے کہ اِن کے متعلق کوئی بھی کام ہاتھ سے نہیں کرنا پڑتا۔

بلکہ کلوں میں لکڑی اور مصالح ڈال دینے سے دوسری طرف سے تیار ڈبیاں بھری ہوئی ملتی ہیں۔ اس کے مقابل میں بعض ممالک یوروپ اور خصوصاً جاپان میں ابھی تک چھوٹی چھوٹی کلوں سے ڈبیاں بنائی جاتی ہیں۔ اور اُن میں دستی محنت سے بہت کام نکلتا ہے۔

ننھے بچوں کا صفحہ

چمکتا تارا

کچھ عرصہ ہوا یہ دلچسپ نظم مسز ممتاز علی صاحبہ ایڈیٹر تہذیب نسواں لاہور نے انگریزی کی مشہور نظم "ٹوئنکل ٹوئنکل لٹل سٹار" کے خیال پر لکھ کر "تہذیب نسواں" میں چھاپی تھی۔ اب ناظرین کی دلچسپی اور تفریح طبع کی خاطر اس سے ان صفحوں کو بھی زینت دیجاتی ہے۔ اُمید ہے کہ ننھے بچے اسے پڑھکر جیسا کہ نظم میں توقع کی گئی ہے - بیحد خوش ہونگے۔ (ایڈیٹر بچوں کا اخبار)

چمکتے ہوئے ننھے ننھے ستارو بتاؤ مجھے تم ہو کیا چیز پیارو؟
بہت اونچے تم آسماں پر ہو رہتے وہاں مثل ہیرے کے تم ہو چمکتے
چمکتے ہو تم نیلگوں آسماں پر اُجالا تمہارا ہے سارے جہاں پر

چمکدار سورج ہے جب منہ چھپاتا
اندھیرا ہر ایک چیز پر جب ہے چھاتا

ہو تب ننھی سی روشنی تم دکھاتے
اندھیرے میں جگنوں سے ہو جگمگاتے

مسافر کوئی ہے گر اسوقت جاتا
تمہاری چمک سے ہے وہ راہ پاتا

اگر آسماں پر نہ تم یوں سے چمکتے
بیاباں میں راتوں کو راہی بھٹکتے

میں سونے کو بستر پہ جب لیٹتا ہوں
تمہاری طرف شوق سے دیکھتا ہوں

میرے شوق پر پیار آتا ہے تم کو
تو جھک جھک کے تم بھی مجھے جھانکتے ہو

نظر آتے تم جاگتے رات بھر ہو
نہیں آنکھ جھپکاتے تم ایک پل کو

تمہیں دیکھ کر چاہتا دل ہے میرا
کہ بن جاؤں میں بھی تمہارے ہی جیسا

مجھے پیار سے ہیں کہا کرتے ابا
ہے تو نور اور میری آنکھوں کا تارا

مگر تم سا روشن کہاں ہوں بھلا میں
پھر آنکھوں کا کس طرح تارا بنا ہیں؟

پر اک بات ہے دھیان میں میری آئی
کہ حاصل ہو جس سے مجھ بھی بڑائی

میں اب دل لگا کر لکھونگا پڑھونگا
جماعت میں میں سب سے اوّل رہونگا

جب اس طرح سے نام روشن کرونگا
تو بیشک میں تم جیسا تارا بنونگا

یہ تدبیر میری اگر راس آئی
تو ہونگا کسی دن میں سی۔ ایس۔ آئی

چمکتا ستارا ہے تو آسماں کا
بنونگا ستارہ میں ہندوستاں کا

سنیں جب ایڈیٹر نے یہ باتیں پیاری
تو بچوں کی خاطر وہ کیں نظم ساری

بڑے بوڑھوں کو کب پسند آئینگی یہ
مگر ننھے بچوں کو تو بھائینگی یہ

سنیں گے جو بچے تو بیحد ہنسیں گے
بہت شوق سے اسکو ہر دم پڑھینگے۔

بچوں کی مجلس

جیسا کہو گے ویسا سنو گے

ایک دفعہ کوئی لڑکا کسی گنبد میں کھیلنے کو گیا تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کھیلتا کودتا پھرا پھر وہ زور سے ایک بار چلایا تو اسے معلوم ہوا کہ کوئی دوسرا لڑکا اس گنبد میں میری نقل کر رہا ہے۔ حیران ہو کے پھر اس نے ایک آواز کی پھر ویسی ہی آواز آئی پھر تو اس سے نہ رہا گیا اور بے تحاشا گالیاں دینی شروع کیں۔ اب بھی اس کو وہی گالیوں کی آواز آئی پھر اسے غصہ آیا اور جو کچھ منہ پر آیا کہنے لگا اور اس لڑکے کو تلاش کرنے لگا۔ جب اس کا پتہ نہ ملا تو غصہ میں بھرا ہوا گھر کو آیا اور باپ سے کہا ابا جان کوئی لڑکا گنبد میں چھپا ہوا مجھے گالیاں دے رہا ہے۔ میں نے اسے ہر چند ڈھونڈا مگر اس کا پتہ نہ ملا باپ یہ سنکر ہنسا اور کہنے لگا بیٹا گنبد میں تو کوئی لڑکا نہیں چھپا ہے یہ صرف تمہارا وہم و خیال ہے۔ کس کی مجال ہے کہ تمہیں گالیاں دے۔ یہ اصل میں تمہاری ہی آواز تھی۔ تم جو کچھ کہتے تھے اسکا جواب وہی تم کو ملتا تھا پس اگر تمہیں برا سننا ناگوار معلوم ہوتا ہے تو کسی کو برا نہ کہو کیونکہ جو جیسا کہتا ہے ویسا ہی سنتا ہے۔

میرے بھائیو تم بھی کسی کو برا نہ کہو تا کہ تمہیں بھی کوئی برا نہ کہے سب سے اچھی باتیں کرو تا کہ تم سے بھی لوگ اچھی باتیں کریں۔

۳۰۶

راقم قاضی حسام الدین ابن قاضی شجاع الدین صاحب تعلقہ راویر ضلع خاندیس۔ خریدار بچوں کا اخبار

(عمر ۱۰ سال ۹ ماہ)

جھوٹ نہ بولو

جھوٹ بولنے سے کوئی فایدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ نقصان ہوتا ہے۔ کیا تم جانتے ہو کہ جھوٹ اچھی چیز ہے؟ ہرگز نہیں۔ جھوٹ سے نباہ نہیں ہو سکتا ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ اس کے ثبوت کے لئے یہ قصہ کافی ہے:۔ ایک لڑکا اپنی بکریاں گاؤں کے باہر چراتا تھا۔ ایک دن اس نے یہ خیال کیا کہ گاؤں کے لوگوں سے کچھ ٹھٹھا کرے۔ چنانچہ ایک اونچی جگہ پر چڑھ کر چلّانے لگا کہ شیر آیا دوڑنا۔ جب لوگوں نے یہ غل سنا تو سب لاٹھیاں لیکر نکل آئے۔ وہاں کسی نے شیر کا پتا بھی نہیں پایا کیونکہ وہ بالکل جھوٹ کہتا تھا۔ لوگوں نے کہا اے بے ادب یہ تیرے جھوٹ بولنے کا سبب ہے کہ ہم سخت حیران ہوئے۔ اس نے کہا کہ میں نے تو ٹھٹھا کیا تھا۔ لوگ خفا ہو کر واپس چلے گئے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ سچ مچ شیر آگیا۔ پھر وہ چلّانے لگا۔ کہ شیر آیا دوڑنا۔ لیکن کسی شخص کو اسپر یقین نہ آیا۔ کیونکہ اس کو جھوٹا جانتے تھے۔ کوئی بھی اسکی مدد کے لئے نہ آیا۔ شیر نے لڑکے کو پھاڑ ڈالا۔ دیکھو اگر یہ لڑکا جھوٹ نہ بولتا۔ سب لوگ اسکی مدد کے لئے آتے۔ لیکن چونکہ یہ جھوٹ بولتا تھا کسی نے اس پر اعتبار نہ کیا۔

بولتا ہے جو کوئی جھوٹ ایک بار — پھر نہیں رہتا ہے اس کا اعتبار

جھوٹ جو لڑکا نہ بولے گا کہیں — بات پر اس کی کرینگے سب یقیں

جھوٹ جو بولے گا وہ پچھتائیگا — سچ بھی اس کا جھوٹ سمجھا جائیگا

راقم بندہ مدن لعل فسٹ مڈل سکول صدر شاہ پور (عمر ۹ سال)

خود پسندی

(اور اس کا نتیجہ)

ایک دن جب اِک پتنگ اُوپر ہوا پر چڑھ گیا
پھر تو دل میں یک بیک اُس کے تکبّر آ گیا

دیکھ کر اپنے کو اُونچا خود پسندی بھا گئی
اہلِ عالم سے مخاطب ہو کے یہ تقریر کی

مُنہہ کو پھیلائے تماشائی سرِ مینار ہیں
دیکھتے ہیں مجھ کو حیرت سے کیا آثار ہیں

وُہ جو چاہیں میں کرشمے اور دکھلا سکتا ہوں
ہو تعجب اور جب گردوں پہ میں جا سکتا ہوں

مَیں اگر آزاد ہوتا ایسا دکھلاتا سماں
بادلوں کو پھاڑ کر ہوتا نگاہوں سے نہاں

ہے مگر افسوس قیدی کی طرح ہُوں پائے بند
ڈور بس ہونے نہیں دیتی مجھے آگے بلند

زور کر کے توڑنے کے واسطے فوراً پتنگ
ٹُوٹ کر آزاد ہو کر ہو گیا اُڑنے سے تنگ

بار اُٹھانا اپنا جب بے ڈور کے مشکل ہوا
چال بگڑی - تھرتھرا کر وُہ سمندر میں گرا

اے پتنگ اے بے خرد میں پُوں تیری پاس کب
کس طرح بے ڈور کے اُڑنا ترا ممکن ہو اب

دِل مرا بولا خدا سے مَیں بھی ہُوں مثلِ پتنگ
خود سری کی آ گئی ہے مجھ میں بھی کچھ کچھ ترنگ

مَیں نے اُن قیدوں کو توڑا ہے جنہیں تو نے خدا
مصلحت سے اور حکمت سے مقرر کر دیا

مَیں نے صد ہا مرتبہ بیکار خواہش کی عیاں
جس سے شئے مجھ کو زیادہ ہاتھ آ جاتی یہاں

فضل تیرا گر نہ ہوتا میرے حالِ زار پر
ہوتی بس مثلِ پتنگ اپنی تباہی سربسر

ہے صفائی سے محبت میں شجاعت کی چمک
اور محبت ہے فروغِ روشنی ہے وہم و شک

ساتھ ہمت کے اگر فیاضی ہوتی ہے ملی
وُہ بنا دیتی ہے ہر انسان کو پُورا جری

راقم محمد اسمٰعیل حنفی میرٹھی - طالب علم مدرسۃ العلوم مسلمانان علی گڑھ

صفائی

انسان کو ہر ایک چیز صاف رکھنا چاہیئے۔ ہاتھ پاؤں کپڑے۔ دل۔ جسم طبیعت۔ دماغ وغیرہ وغیرہ غرض ہر ایک چیز میں صفائی رکھنا ایک بہت اچھی صفت ہے۔ صفائی سے بہت سے فائدے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ اگر کپڑے صاف ہونگے تو ہر ایک شخص اپنے پاس بیٹھنے دیگا۔ اور محبت کریگا اور اگر صاف نہیں ہونگے تو ہمیں کوئی نہیں پوچھیگا کہ تم کون ہو۔ اگر تم گھر کو صاف رکھو گے تو بہت خوشنما معلوم ہوگا۔ اگر کوئی شخص وہاں آئیگا تو بہت خوش ہوگا۔ اپنی کتابوں کو بھی صاف رکھنا چاہیئے۔ کتاب کی خوبصورتی صفائی سے ہے اگر کتاب صاف نہ ہوگی تو بہت بدنما ہونے کے سوائے اگر کسی نے کہا کہ تمہاری کتاب تو دیکھیں تو تم کو دیتے وقت بہت شرم معلوم ہوگی۔ اگر شرم نہ بھی معلوم ہو تو جو دیکھیگا وُہ متنفر ہوگا۔ اُس کے سوائے اپنی میز پر کتابوں کو بہت صاف اور باترتیب رکھنا چاہیئے۔ اکثر لڑکوں کی عادت ہوتی ہے کہ کتاب پڑھی اور اُدھر پھینکدی۔ گویا اس سے پھر واسطہ ہی نہیں۔ صفائی کچھ چیزوں ہی کی یا جسم وغیرہ کے صاف ہونے پر محصور نہیں ہے۔ بلکہ طبیعت کی صفائی چیزوں کے آراستہ اور باترتیب رکھنے میں پائی جاتی ہے۔ اس لئے پیارے بھائیوں کو چاہیئے کہ ہر ایک چیز میں صفائی کا خیال رکھیں کیونکہ اگر ابھی سے غلیظ اور میلا رہنے کی عادت پڑگئی تو پھر آئندہ کب وُہ صفائی سیکھینگے۔ اپنی کتابوں کو میز پر یا کسی صندوقچہ میں ٹھیک طرح بہ ترتیب رکھ دیں۔ پڑھنا ہو تو نکال لیں اور پھر ویسے ہی اُسی جگہ رکھدیں۔ تو کبھی میلی یا خراب نہ ہوں گی +

راقم محمد شفیق خریدار بچوں کا اخبار ۲۷۴ (عمر ۱۱ سال)۔

جُزدان

دولتمند بننے کے طریقے اور دولتمندوں کی رائیں

ہر ایک شخص کی پہلی آرزو یہ ہوتی ہے کہ وہ دولتمند بنجائے۔ یہ آرزو کچھ بُری بھی نہیں ہے کیونکہ دولتمند بنکر انسان نہ صرف آپ ہی آرام اور آسائش کی زندگی بسر کرسکتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی آرام پہنچا سکتا ہے۔ اور اگر چاہے تو اپنی دولت کے ذریعہ سے بہت کچھ نیکی کما سکتا ہے مگر دولتمند بننا اتنا سہل نہیں ہے کہ صرف خواہش کرکے کوئی شخص دولتمند بنجائے۔ بلکہ اس کام کے لئے بہت کچھ محنت اور ہوشیاری سے کام لینا پڑتا ہے۔ یاد رکھو کہ دُنیا میں کوئی کام کی چیز ایسی نہیں ہے کہ جسکی کچھ نہ کچھ قیمت نہ دینی پڑے۔ اور یہ محنت اور جانفشانی اس دولت اور آسودگی کی قیمت ہے جو تم ادا کرتے ہو۔ ذیل میں یُوروپ امریکہ کے کئی ایک تجربہ کار دولتمندوں کی نصیحتیں درج کیجاتی ہیں جو ہر ایک بچے جوان اور بوڑھے کے لئے سبق آموز ثابت ہونگی:۔

روتھشیلڈ کی رائے۔ اس نام کے مشہور و معروف کارخانہ کا بانی کہ جس کے کسیقدر حالات ہم نیچے لکھتے ہیں۔ اپنی ابتدائی کامیابی مندرجہ ذیل قواعد سے وابستہ بیان کرتا تھا۔

(۱) میں تینوں نفعے لیا کرتا تھا۔ یعنے پہلے تو اپنے گاہک کارخانہ دار کے ہاتھ خام پیداوار بیچکر نفع کماتا پھر جب تیار کرکے میرے پاس بیچتا۔ اُس میں نفع لیتا اور پھر جب مال کارخانہ سے لیکر اوروں کے پاس بیچتا پھر تیسرا نفع حاصل کرتا۔

(۲) جھٹ پٹ سودا کرلو یعنے زیادہ عرصہ باندھ نہ رکھو۔

(۳) بدقسمت آدمیوں اور منحوس جگہوں سے علاقہ نہ رکھو۔

اُسکا قول تھا کہ مَیں نے کئی آدمی دیکھے ہیں کہ اُن کے پاؤں میں توجوتا تک

نہیں لیکن جو وُہ نصیحت کرتے ہیں وُہ اچھی معلوم ہوتی ہے۔ چُونکہ قسمت ایسے آدمیوں سے برگشتہ ہوتی ہے میں نے سمجھا کہ جب یہ اپنا ہی اِنتظام نہیں کرسکتے تو میرا بھلا کیا بھلا کر سکتے ہیں۔

(۴) محتاط اور بہادر بنے رہو۔ بہت زیادہ دولت جمع کرنے کے لئے بہت بڑی مقدار جُرأت اور احتیاط کی درکار ہوتی ہے۔ اور جبکہ دولت کثیر ہاتھ لگجاتی ہے تو یہ دس گُنا عقل اپنے سنبھالنے کے لئے چاہتی ہے۔

روتھشیلڈ کی مشہور دولتمند کی کوٹھی کی ہمیشہ کی ناموری اور بہبودی مندرجۂ ذیل واقعات سے جو مالکوں کے سوانح عمری سے تعلق رکھتے ہیں۔ دو اصُول پر مبنی تھے۔ جو شخص اتفاقی حادثات سے قطع نظر اِس امر کا کافی علم رکھتا ہے کہ بڑے بڑے واقعات میں کامیابی صرف کچھ اچھے وقت کے انتخاب یا استعمال پر ہی مبنی نہیں بلکہ بعض خاص ابتدائی اصُولوں کے عملدرآمد پر منحصر ہے۔ اُسکو اس امر کے تسلیم کرنے میں مطلق تامل نہ ہوگا کہ اس عظیم الشان دولتمند صرافی کی کوٹھی نے علاوہ کاروبار کے ہمیشہ عقلمندی سے چلانے اور دُور اندیشی سے کام سوچ سمجھ لینے کی اِن دو اصُولوں پر بھی نہایت تاکید سے تعمیل کی۔

اِن میں سے پہلا اصُول یہ تھا کہ اِن پانچ بھائیوں نے اپنے کاروبار کو ہمیشہ مِل جُل کر اتفاق سے چلایا۔ یہ سُنہلا قاعدہ اُنکے باپ نے بستر مرگ پر سے اپنے بیٹوں کو بطور وصیّت کے سپُرد کیا تھا کہ اتفاق کو کبھی ہاتھ سے نہ دینا اور کاروبار بھی اتفاق سے مل جُل کر چلایا کرنا۔ اسکی وفات کے بعد اِن پانچوں میں سے جس نے جو صلاح دی باقیوں نے اُسپر خوب غور و فکر کر کے اُسکو قبول یا رد کیا۔ ہر ضروری تجویز میں پانچوں کی رائے برابر سمجھی جاتی۔ اور نفع کا حصّہ بھی ہر ایک کو مساوی ملتا۔ گو کئی سال تک اُن پانچوں کی بود و باش دُور دراز مقاماتِ مختلفہ میں رہی۔ مگر اُس بُعدِ مکانی سے اُن کے اتفاق اور

یگانگت میں فرق نہ آیا۔ بلکہ اُن کو اس سے فائدہ ہوتا رہا کہ مختلف دارالسلطنتوں کے حالات تجارت اور صرافی سے ہر وقت واقف ہو کر اپنے کارخانہ کو نفع پہنچاتے رہے۔ دُوسرا اصُول کہ جس پر اس کارخانہ نے عمل کیا یہ تھا کہ ہر ایک کام میں نہایت قلیل نفع اُٹھایا۔ اور اس قلیل نفع اُٹھانے کی وجہ سے طمع کی بدولت کسی ایسے کام میں نہ پھنسے کہ جسکو اتفاقی حادثات سے تباہ ہونیکا احتمال ہوتا ہو۔

ڈیوڈ ریکارڈو۔ یہ مشہور سیاستِ مُدن کا ماہر ۱۷۷۲ء کے درمیان ایک یہودی خاندان سے شہر لنڈن میں پیدا ہوا۔ اس کی دیانتداری۔ محنت اور لیاقت نے چھوٹی ہی عمر میں اسکو گذارہ کے اسباب بہم پہنچا دیئے۔ اور چونکہ وُہ کمپنیوں کے حصوں کے خرید و فروخت کی تجارت میں شامل ہو گیا۔ اُس نے اتفاقات حسنہ سے بہت روپیہ جمع کر لیا۔ اُس نے مال کے مضمون پر کئی ایک کتابیں تصنیف کیں۔ اور ۱۸۱۹ء میں ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوا۔ وہ ان تین مندرجہ ذیل قواعد کو اپنے تین مطلق قاعدے کہا کرتا تھا اور اپنے دوستوں کو اُنپر کاربند ہونے کی تاکید کیا کرتا تھا:۔

(۱) جو موقع ہاتھ لگے اُسکو جانے نہ دو (۲) نقصان کو جھٹ کاٹ دو (۳) نفع کو بڑھنے دو۔

پہلا تو ظاہر ہے کہ جو موقع ہاتھ آئے اُس سے نفع اُٹھاؤ۔ دُوسرے قاعدے سے مسٹر ریکارڈو کا مطلب یہ تھا کہ اگر ایک شخص کے پاس کسی کمپنی کے کوئی حصے ہیں یا کوئی مال تجارت خریدا ہوا رکھا ہو۔ اور اس کی قیمت گھٹنی شروع ہو گئی ہے تو اُسی وقت بلا تکلف مال کو فروخت کر دینا لازم ہے۔ مبادا کہ قیمت اس سے بھی گھٹ جائے۔ اور تیسرے قاعدہ سے اسی طرح یہ منشا تھا کہ اگر قیمتیں بڑھنے لگیں تو اُسوقت تک انتظار کرنا چاہئے جب تک کہ قیمت اعلیٰ درجہ تک پہنچکر پھر گھٹنے نہ لگے جب قیمت گھٹنے کی طرف میلان کرے یا گھٹنے لگے تو جھٹ بیچدے۔ واقعی یہ مطلق قواعد ہیں۔ اور جن لوگوں نے

ان پر عمل کیا ہی وُہ ضرور کامیاب ہو گذرے ہیں۔

سٹیفن گیررڈ۔ یہ شخص ۲۴۔ مئی ۱۷۵۰ء میں متصل شہر بورڈو واقع فرانس پیدا ہُوا۔ وُہ جبکہ بارہ برس کا تھا۔ جزائر غرب الہند کو بطور ایک جہاز کے مُلازم کے چلا گیا۔ اور وہاں سے چند سال کے بعد اضلاع متحدہ امریکہ لوٹ آیا۔ اُس نے جہاز میں بطور مزدور۔ ملاح۔ میٹ۔ کپتان اور شریک یعنے حصّہ دار جہاز کے سمندر کا بہت سفر کیا۔ اور اسی اثنا میں اُس کے پاس کچھ روپیہ بھی جمع ہو گیا۔ بعد ازاں آئزک۔ ہزلٹ ساکن فلاڈلفیا کی شراکت سے اُس نے دو جہاز خرید کر سینٹ ڈومنگو کی تجارت میں لگا دیئے۔ لیکن اُن جہازوں کی گرفتاری سے وُہ کارخانہ ٹوٹ گیا۔ ایام جنگ میں وُہ بمقام مونٹ ہالی کلیرٹ شراب کی بوتلیں بھرنے کا کام کرتا رہا۔ اور ۱۷۷۹ء میں پھر فلاڈلفیا کو واپس جا کر نیو آرلینز اور سینٹ ڈومنگو کی تجارت شروع کر دی۔ پھر اُس نے اپنے بھائی کے ساتھ شراکت شروع کی مگر اس کا بھی پہلے کی طرح کارخانہ کے ٹوٹ جانے پر خاتمہ ہُوا۔ تھوڑا عرصہ کے بعد اس کو ایک دس ہزار پونڈ مل گئے۔ جو کسی تاجر کے مال کی قیمت تھی جو اُس سینٹ ڈومنگو کے جہاز میں تھا اور جس کے لئے مالک نے پھر نہ پُوچھا تھا۔ ۱۷۹۱ء میں اُس نے جہاز بنانے کا کام شروع کیا۔ اور اُس وقت سے دم مرگ تک وُہ مختلف قسم کی تجارتوں اور صرافی کے کام میں مشغول رہا۔ ۱۸۱۱ء میں اُس کا ۱۲ لاکھ پونڈ فلاں کارخانہ کے پاس تھا کہ جو بمشکل ٹوٹتے ٹوٹتے بچا۔ اور اگر یہ کارخانہ بند ہو جاتا تو وُہ عالیشان گیررڈ کالج کبھی قائم نہ ہوتا۔ کیونکہ اُس کے دل پر (جیسا کہ وُہ تھا) اِس سے سخت صدمہ پہنچتا۔ یہ شخص ۱۸۳۱ء میں ۲۵ لاکھ کی جائداد چھوڑ مرا۔

اُس نے اپنی کامیابی کے اصُولوں پر کبھی اپنی رائے ظاہر نہیں کی تھی۔ اور جبکہ ایک مرتبہ اُس سے کامیابی کے وجُوہ پُوچھے گئے تو اُس نے جواب دیا کہ میری زندگی

کے کام ہی میری کامیابی کی وجہ ہیں"۔ اِس لئے ہم اس کی رائے اس کے مندرجہ ذیل دو تین کاموں سے معلوم کرسکتے ہیں۔

"ایک سیاح نے یورپ سے گیرڈ کے نام ہنڈی کرائی کہ اس کو امریکہ میں اخراجات کے لئے جسقدر روپیہ کی ضرورت ہو دیدے۔ اُسسے درشنی ہنڈی کا روپیہ عین وقت پر دیدیا گیا۔ لیکن اس سیاح کی طرف ایک سینٹ (جو امریکہ میں دو پیسہ کے برابر سکہ ہوتا ہے) زیادہ چلا گیا۔ جب گیرڈ کو خیال آیا تو جس شام کو سیاح وہاں سے روانہ ہونے والا تھا اس نے اس سے ایک سینٹ کا تقاضا کیا۔ سیاح نے عذر خواہی کے بعد سوا سات سینٹ کا سکہ دیکر باقی مانگی۔ تاجر نے ۵ سینٹ دیئے۔ مگر سیاح نے کہا کہ ایک چوتھائی سینٹ مجھے اور چاہیئے۔ اسپر تاجر نے کہا کہ بیشک مگر اس کا علاج نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ سرکار نے چوتھائی سینٹ کا کوئی سکہ ہی تجویز نہیں کیا۔ اور تب ایک سینٹ اور دیکر کہا کہ یاد رکھنا ابھی تم ۳/۴ سینٹ کے لئے میرے مقروض ہو۔ اِس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ باوجودیکہ وہ کروڑپتی تاجر تھا۔ لیکن ایک ایسی خفیف رقم کے لئے بھی اس نے تقاضا ناجائز نہ سمجھا"۔

"پھر ایک موقعہ کا ذکر ہے کہ یہی مشہور آدمی جبکہ کوئی چار کوڑی سالوں کا زمانہ اُس کے سر کے بالوں کو سفید کرگیا تھا۔ ایک روز اپنے جہاز کے پاس کھڑا تھا تو ایک دہقان کو کہنے لگا۔ کہ وہ ٹوکرا مرغیوں کا لیجاؤ۔ یہ مجھے درکار نہیں ہے کیونکہ اس میں مرغے بہت دُبلے ہیں۔ غرض اگر ایک کوڑی کے داخل یا مخارج سے اُس نے اپنا نفع دیکھا تو اپنی اچھی طبیعت کی مدد سے کہ جس کو اُس نے شروع ہی سے باریک بینی کا عادی بنالیا تھا۔ اُس نے ویسا ہی عمل کیا۔ کہتے ہیں اُس نے مرتے وقت یہ بھی کہا تھا کہ میری اِس حلال کی کمائی سے کئی نیک لوگ

منتفع ہونگے سو ایسا ہی ہوا کہ کئی خاندان اس سے بن گئے۔ یہ مقولہ بھی اس شخص کے زبان زد رہتا کہ اگر اپنے پیسوں کا خیال رکھو تو تمہارے روپیہ خود بخود محفوظ رہینگے"۔

آنریبل جان فریڈلی ۔ یہ روشن دماغ دولتمند ۲۲۔ مئی ۱۷۹۳ء کو نورسنگٹن ٹاون کے قریب امریکہ شمالی میں پیدا ہوا۔ اور پہلے پہل چھوٹی عمر میں اُس نے اینٹیں بنانے کا کام شروع کیا۔ لیکن آخر کچھ سمجھ سوچکر پاؤں کا کام چھوڑکر سر کے کام میں قسمت آزمائی کا ارادہ کیا۔ ۱۲۔ اگست ۱۸۲۰ء کو وُہ وکالت میں شامل ہو گیا۔ اور بتدریج اپنے پیشہ میں ترقی کر گیا۔ اُس کی زبان جرمن کی واقفیت اور کاروبار میں سابقہ معلومات نے اُس کی وکالت کو بہت چمکا دیا۔ اپنی آمدنی سے وُہ جو کچھ بچا سکا اُسنے زمین خریدنے اور قرض دینے میں لگانا شروع کیا۔ زمین اُس نے ایسی فراست اور دُور اندیشی سے خریدی کہ بعدہٗ اُس کی قیمت بہت چڑھ گئی۔ اسی اثنا میں اُس نے ۱۸۳۲ء میں سنگ مرمر کی تجارت شروع کر دی اور اس طرح بتدریج اپنے پیشۂ وکالت سے اپنے آپ کو فارغ البال کر لیا۔ ۱۸۳۸ء میں اُس نے یہ یادداشت لکھی"۔ اِس وقت میرا قرضہ دس ہزار پونڈ لوگوں کے ذمّہ ہے اور کام بھی خوب زور و شور سے چل رہا ہے۔ آج سے دس سال پیشتر مَیں ایک مزدُور تھا اور اب مَیں امیر ہوں۔ سب جگہ میری ملکیت کی زمینیں ہیں"۔ ۱۸۴۴ء میں وُہ کانگرس میں ممبر منتخب ہوا۔ اور نہائت فرزانگی کی کارروائیوں کے بعد اُس کی روشن عُمر کا ۸۔ دسمبر ۱۸۵۱ء کو خاتمہ ہو گیا۔ اور ۶۰ ہزار پونڈ سے زیادہ کی جائیداد چھوڑ مرا۔ یہ بڑا رحمدل۔ سادہ وضع مگر عالی دماغ اور بلند حوصلہ آدمی تھا۔

جان فریڈلی کا نہائت عزیز مقولہ یہ تھا کہ "ہمیشہ اپنی ذات پر بھروسہ رکھو"! یعنے کسی دُوسرے سے کوئی توقع نہ رکھو۔ وُہ کہا کرتا تھا کہ جو لوگ یہ خیال رکھتے

ہیں کہ کاروبار میں کامیابی کرنے کے لئے صرف راس المال ہی ضروری چیز ہے وُہ غلطی پر ہیں۔ اگر ایک آدمی کے پاس سر اور ہاتھ اُس کے پیشہ کے لئے موزون موجود ہیں تو وُہ اُنہیں میں سے راس المال نکال سکتا ہے۔ میری زندگی کے مشاہدات میرا اطمینان کر دیتے ہیں۔ کہ جتنے لوگ کاروبار میں آجتک کامیاب ہوکر ممتاز ہوئے ہیں۔ اُن میں دس میں سے ۹ ضرور ہی ایسے شخص تھے کہ جنہوں نے زندگی کی دَوڑ صرف ہاتھ اور سر کے بھروسہ پر شروع کی تھی۔ تمام پیشوں اور حرفتوں میں لیاقت۔ استقلال اور محنت کے لئے یکساں میدان وسیع ہے۔ اور یہ صفات خواہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں۔ شمال میں ہوں یا جنوب میں جلدی یا دیر سے اپنے موصُوف کو کامیابی کے تاج کا بلاشبہ مستحق ٹھہرائینگے البتہ نئے مُبتدیوں کو ضرور اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ تھوڑی بہت تکلیفیں اس راستہ میں ضرور سدِّراہ ہوتی ہیں۔ پہلے اس کو اپنے آپ کو اس پیشہ کے لائق بنا لینا چاہیئے۔ کاروبار میں سب سے مقدّم اور سب سے بڑا کام یہ ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو آزاد یعنے بلامنتِ احدے معاش حاصل کر لینے کے قابل بنا لیا جائے۔ پھر جُوں جُوں آمدنی میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ نیکی کرنے اور رسُوخ بڑھانے کی خو بڑھتی جاتی ہے۔

نکلس لونگ ورتھ ۔ یہ شخص سنسنیاٹی (امریکہ) کا کروڑپتی ۱۶ جنوری ۱۷۸۳ء کو پیدا ہُوا۔ یہ شخص پہلے کفش دوز تھا۔ لیکن ۱۸۰۳ء میں سنسنیاٹی میں جاکر اُس نے قانون سیکھ کر ۱۴ سال تک وکالت کی۔ اُسوقت اُس نے بتمامہ اپنی توجہ زمین اور کمپنیوں کے حصص کی خریداری میں مبذول کر دی۔ اور جیسا کہ قاعدہ ہے کہ چڑھتی قیمت کے حصّے خریدنے والا ہمیشہ نفع اُٹھاتا ہے۔ وُہ نفع ہی حاصل کرتا رہا۔ چھوٹی چھوٹی چیزوں پر توجّہ کرنے سے

کس طرح بڑی بڑی چیزیں بنجاتی ہیں ۔ اس کی بہت سی مثالیں مسٹر لونگ ورتھ کی زندگی میں موجود ہیں ۔ چنانچہ اس طرح کا ذکر ہے کہ ایک مرتبہ یہ شخص ایک ایسے ملزم کا وکیل ہوا کہ جس پر ایک گھوڑا چرانے کا الزام لگایا گیا تھا اور جس کے پاس وکیل کے محنتانہ کے لئے سوائے دو پرانے مسی دیگچوں کے جو عطر مقطر کرنے کے کام آتے ہیں ۔ اور کچھ نہ تھا ۔ اس نے یہی لینے قبول کر لئے ۔ لیکن جس شخص کے پاس دو دیگچے امانت تھے ۔ اس نے وہ تو نہ دیئے ۔ مگر ان کے عوض میں ایک اچھے موقع پر مسٹر لونگ ورتھ کو ۳۳ ایکڑ زمین دیدی ۔ اس وقت گو اور لوگ تو وہاں کی زمین کا ایسا قدر نہیں جانتے تھے ۔ مگر اس دانا وکیل نے وہ زمین ہی پسند کر لی ۔ چنانچہ آج صرف وہ سفید زمین ہی چار لاکھ پونڈ کی ہے ۔ یہ تو کسی کو معلوم نہیں کہ اس شخص کی کل جائداد کی کیا قیمت ہو سکتی ہے ۔ لیکن ۱۸۵۰ء میں اس کا سالانہ ٹکس ۳۶۰۰ پونڈ تھا ۔ اور باستثنائے ولیم اسٹر کے جس نے اسی سال میں ۱۲ و ۴۷ پونڈ ٹکس ادا کیا تھا ۔ اور کوئی شخص اس سے زیادہ ٹکس اضلاع متحدہ امریکہ میں سرکار کو نہ دیتا تھا ۔ مسٹر لونگ ورتھ کی رائے تھی کہ اگر چڑھتی ہوئی قیمت پر کسی اصلی جائداد کے حصّے خریدے جائیں تو یہ بہت سودمند ہو سکتے ہیں ۔ اور یہ بھی لازم ہے کہ جو شخص متمول ہونا چاہتا ہو وہ ضرور مستقل دل اور بانتیجہ دماغ رکھتا ہو ۔ نہ کہ متلوّن مزاج اور کوڑہ مغز ہو ۔

پی ٹی ۔ بارنم ۔ یہ مشہور شخص جو عجائباتِ طبعی کا مظہر اور قوانینِ مال اور معاملات زر میں اعلےٰ درجہ کا ماہر نہایت متواضع اور نیک سیرت بزرگوار کنکٹیکٹ کا گورنر اپنے دو لاکھ پونڈ جمع کرنے کی کامیابی کو جیسے کہ تمام اخبارات مخبر ہیں ۔ صرف چھاپنے والے کی سیاہی کی بدولت بتلاتا ہے ۔ اس میں کچھ شبہ

نہیں کہ اس شخص کی لیاقت - ہوشیاری اور انسانی طبیعتوں کی خاص مہارت بھی تعریف کے قابل ہیں - لیکن زیادہ اشتہار چھپوانے کو ہی وُہ اپنی کامیابی کا راز بتلاتا ہے -

ایک بوسٹن کا تاجر - جس کا تجربہ پچاس سال کا ہے اور کہتے ہیں کہ بہت بڑی جائداد بنا چکا ہے - بیان کرتا ہے کہ ابتدائے عمر میں بعض ایسے حالات اُسکو پیش آئے کہ جن سے اُس کے دل پر ان دو مقولوں کی صداقت نقش ہو گئی - اور اُس نے اُس دن کے بعد ہمیشہ کے لئے اُنکو اپنی زندگی کی رہنمائی کے لئے پیشِ نظر رکھا - اور بقول اُس کے ۵۰ سال تک یہ اُس کے کام آتے رہے -

(۱) جو کام شروع کرو تہ دل سے اُسکو چلاؤ -

(۲) کسی طرح ایمان اور دیانت ہاتھ سے نہ جانے دو -

جان میکڈونو - نیو آرلینز کا کروڑپتی ساہوکار کہ جو حال ہی میں مرا ہے کہتے ہیں - اس قسم کی نہایت ہی ستھرا اور مجرب رائے چھوڑ مرا ہے - یہ نیو آرلینز کے ایک وکیل نے اپنی ذاتی معلومات سے جو اسکو مرحوم ساہوکار سے ایک ملاقات میں حاصل ہوئی تھی - عدالت کے ایک کمرہ میں بوقت فراغت حسبِ ذیل بیان کیا -

مَیں نے ایک روز مسٹر میکڈونو سے کہا کہ مَیں سمجھتا ہُوں کہ آپ جلدی ہی اس جہان سے سفر کرنے والے معلوم ہوتے ہیں - اور یہ کثیر اندوختہ خیرات کے کاموں کے لئے چھوڑ جانے کا ارادہ رکھتے ہیں - مَیں ایک عرصہ سے آپ کی مجرد زندگی کو غور سے دیکھا کرتا ہوں - اب مَیں آپ سے وہ قاعدے پوچھنا چاہتا ہُوں کہ جنکے ذریعہ سے مَیں بھی تمہارے جیسا دولت مند ہو جاؤں - اور

اپنے وارثوں کے لئے کثیر جائیداد چھوڑ مروں۔ اُس نے یہ سُنکر مجھے کہا کہ صاحب آپ کھڑے ہو جائیے۔ مَیں اُس آرام چوکی سے کہ جس پر بیٹھا ہُوا تھا کھڑا ہو گیا۔ اور وُہ اُس پر بیٹھ گیا۔ اور میری طرف ایسی طرز سے اشارہ کر کے کہ گویا وُہ مالک اور مَیں اُس کا منشی تھا کہا کہ آپ اس کُرسی پر (جس سے وُہ خود اُٹھ کھڑا تھا) بیٹھ جائیے۔ اب مَیں آپ کو بتلاتا ہُوں کہ مَیں کس طرح اتنا دولتمند ہو گیا ہُوں۔ اور کس طرح آپ بھی میرے ان تین قاعدوں میں میری تقلید کرنے سے میرے ہی جیسے متمول ہو سکتے ہیں۔ مَیں پہلے پہل لوزیانہ میں جبکہ یہ ہسپانیہ کے مقبوضات سے تھا۔ بطور ایجنٹ ایک بالیٹمور اور ایک بوسٹن کے کارخانہ کے کچھ اسباب فروخت کرنے کے لئے گیا۔ جبکہ مَیں اُن کا کام ختم کر کے اُن کا حساب فیصل کر چکا۔ تو مَیں نے اُن کی ایجنٹی چھوڑ کر اپنا کام جاری کر دیا۔ میں وہاں کے اہل سپین گورنر سے اس اثنا میں بخوبی واقف ہو گیا تھا۔ گو مَیں نے کبھی اُس کی منت خوشامد نہ کی۔ مگر وُہ مجھ پر مہربانی کرنے لگا اور آخر اس کی نظرِ لُطف سے مَیں نے ایک فوجی ٹھیکہ لیا کہ جس میں مجھے دو ہزار بچ گئے۔ اِس کے بعد مَیں نے فوج کے تمام اعلےٰ افسروں اور نیز گورنر کو ایک نہایت پُر تکلف ضیافت دی۔ اور اس ذریعہ سے ایک اَور ٹھیکہ ملگیا کہ جس سے مَیں نے چھ ہزار پونڈ کمایا۔

[1] یہی بات ہے کہ جس کو عام لوگ مُشکل سے قبول کر سکتے ہیں۔ یعنے روپیہ عقلمندی سے نہیں خرچ سکتے۔ اور جبکہ روپیہ پہلے خرچ نہ کیا جائے۔ معلوم نہیں کہ نفع کی توقع کس طرح رکھ سکتے ہیں۔ جو شخص بہت روپیہ جمع کرنا چاہتا ہے۔ اُسکو پہلے کھُلے دِل سے اپنا روپیہ خرچنا[1] چاہیئے۔ تاکہ بعد میں اُس کو اسی

[1] مسٹر سیکنڈ ونز کی اس خیال کو ہم اس فارسی مثل کا بالکل ہم مطلب پاتے ہیں۔ "زر بدہ امیر بشو۔ امیر شوی زر بسیار" اور ہم خود بھی اس سے اتفاق رکھتے ہیں۔ کہ تاجروں کے لئے خاصکر یہ عُمدہ طریق ہے ۱۲

نسبت سے روپیہ ملے۔ اس ضیافت سے جو مَیں نے افسرانِ ہسپانیہ کی کی تھی۔
مَیں نے اُن کی محبت اور عزت حاصل کی۔ اور اُس کے ذریعہ سے وُہ روپیہ کی معقول
مقدار کما لی۔ اِس لئے آپ کو دُنیا میں کامیاب ہونے کے لئے اپنے ملک یا صوبے
یا شہر کے دولت مند اور با اختیار لوگوں یعنے حکّامِ وقت کی خوشنودی حاصل کرنی
چاہیئے۔ میرا پہلا قاعدہ یہی ہے۔

پھر مسٹر میکڈونو نے کہا کہ چونکہ انسان کی عمر طبعی کا عرصہ بہت محدود ہے۔
اور اُس میں اُسکو زیادہ دولت کمانے کے لئے اپنے ہی دستِ بازو پر بھروسا
ہوتا ہے۔ اِس لئے اُسکو اُن لوگوں کے علم ولیاقت اور معلومات سے فائدہ
اُٹھانا چاہیئے کہ جو بلحاظِ دولت اُس سے ادنےٰ درجہ رکھتے ہیں۔ یہ دُوسرا قاعدہ
ہے۔ اور اس قدر کہکر وُہ خاموش ہو گیا۔ جبکہ وُہ تھوڑی دیر خاموش ہو گیا۔ تو
مَیں نے پُوچھا کہ کیا اسی قدر باتیں تھیں؟ اس نے کہا نہیں ذرا اور صبر کرو۔ اور
یہ تیسرا اور آخری قاعدہ جو سب سے زیادہ ضروری ہے سُنو اور اس پر عمل کرو۔
پھر یقین ہے تم بڑے دولتمند ہو جاؤ گے۔

تم کو ہمیشہ خداوند تعالےٰ کے حضور میں نہایت خضوع وخشوع سے دُعا
مانگنے کے لئے ہاتھ اُٹھانے چاہئیں۔ تمہاری ہر ایک حاجت پُوری ہو جائیگی
مَیں نے اپنی عُمر بھر میں خدائیتعالےٰ سے کوئی ایسی دُعا صدق دِل اور حضُورِ
قلب سے نہیں مانگی کہ جس کا جواب حسب دلخواہ نہ دیا گیا۔ وُہ یہاں پر ٹھہر گیا۔
مَیں نے کہا بس اسی قدر؟ اُس نے کہا۔ ہاں اسی قدر! اور اُٹھ کر چلا گیا۔

میرے دوستوں میں سے ایک نے پُوچھا کہ کیا آپ ان قاعدوں پر کاربند
ہونگے؟ مَیں نے جواب دیا کہ افسوس بوجہ اِن چند وجوہات کے نہیں ہو سکتا کیونکہ
جو نتیجہ مَیں نے مسٹر میکڈونو کی رائے سے مستخرج کیا ہے۔ یہ ہے کہ جب ایک

شخص دولتمند ہونا چاہے۔ تو اُسکو دولتمندوں کو بگاڑنا۔ غریبوں کو ستانا اور
خُدا سے اِس سلسلہ کے قیام کی آرزو رکھنا چاہیئے"۔ گو اکثر لوگوں نے پہلے
ان قواعد کو خلافِ اخلاق اور خلافِ دین سمجھا۔ لیکن بعض نے اُنکو پسند
بھی کیا۔ اور انکو واقعی کامیابی کی کلید بتایا ✣

نظری دھوکہ

کونسی نُقطہ دار لکیر لمبی ہے

اِس شکل میں ایک خط دوسرے کی نسبت لمبا دکھائی دیتا ہے۔ حالانکہ دونوں برابر ہیں۔

غور سے دیکھو۔ کونسی چوٹی کی لکیر چھوٹی ہے اور کونسی بڑی۔

کیا یہ لمبی لکیریں ہموار نہیں ہیں؟

بچّوں کا اخبار

ہونہار برواکے چکنے چکنے پات

ایاس کی زندگی سے ہم کیا سبق لے سکتے ہیں؟

مولوی محمد عباس صاحب ایم اے منشی فاضل مصنّف مشاہیر نسوان وغیرہ نے یہ مضمون بعض عربی کتابوں سے ترجمہ کیا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں۔ مشرقی زبانوں کی کتابوں میں ہر چند کہ مشہور لوگوں کی زندگیوں کے بہت سے حالات درج ہوتے ہیں۔ مگر اُن کے بچپن کے حالات بہت کم ملتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ کے مُصنّفوں میں لوگوں کے بچپن کے حالات جمع کرنے کا دستور ہی نہیں تھا۔ ورنہ ہزارہا مشہور لوگوں کے بچپن کے زمانہ کے حالات آج کے نوجوان معلوم کرسکتے۔ البتّہ اہلِ یوروپ اس امر کو ضروری سمجھتے ہیں کہ جس مشہور اور لائق شخص کی زندگی کے حالات جمع کئے جاویں اُس کے بچپن کے زمانہ کی کیفیت بھی ضرور بہم پہنچا کر لکھی جاوے۔ اِس سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بچّے ایسی مثالوں سے بہت فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ اور زمانہ گذشتہ کے اُن مشہور لوگوں کے بچپن کی نقل کرکے خود بھی لائق بننے کی کوشش کرتے ہیں

معاویہ کا بیٹا ایاس بڑا ذہین لڑکا تھا۔ نہیں معلوم خُدا نے کونسی مٹّی سے اُس کا خمیر بنایا تھا کہ جب کوئی بات کرتا تو بچّے اور بوڑھے حیرت سے اُس کا منہہ تکتے رہجاتے۔ فطرت کے ہر کام پر وُہ ایسی گہری نظر ڈالتا تھا کہ مجال کیا ہے جو کوئی بھید کی بات اس سے چھپی رہ جائے۔ سچ تو یہ ہے کہ وُہ ایک ہنستا کھیلتا فلسفہ اور ایک چلتا پھرتا قیافہ تھا۔

ایک دفعہ ایاس اپنے دوستوں میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا کہ کسی کُتّے کی آواز آئی۔ اُس نے کہا دیکھنا: یہ کُتّا تو کسی اور گانوں کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ سُنکر کچھ لڑکوں نے تو اُس کی بات کو ہنسی میں ٹالدیا۔ لیکن بعض ایسے بھی تھے جنکے دِل میں یہ کُرید پیدا ہوئی کہ ایاس نے بیٹھے بٹھائے یہ کیا کہدیا۔ وُہ فوراً کُتّے کی آواز پر دوڑے گئے اور جاکر دیکھا تو واقعی کُتّا کسی اور گانوں کا تھا۔ بڑی حیرت ہُوئی۔ پھر آئے اور پُوچھا "ایاس تم نے کِس طرح معلوم کیا کہ یہ کُتّا یہاں کا نہیں"۔ ایاس نے کہا "اس کی آواز سے"۔ اُنہوں نے اَور بھی زیادہ تعجّب سے پُوچھا "تُو کیا تم اُس کی بولی جانتے ہو"؟ کہا نہیں۔ صِرف اتنا جانتا ہُوں کہ جب کسی غیر جگہ سے کوئی کُتّا آتا ہے تو دُوسرے کتّوں کے ڈر سے بڑی دبی ہوئی آواز نکالتا ہے۔

اِسی طرح ایک اور دفعہ کا ذکر ہے کہ ایاس اپنے ہمجولیوں کے ساتھ سَیر کو نکلا۔ چلتے چلتے جب سب تھک گئے تو ستانے کے لئے جنگل میں ایک سرسبز جگہ دیکھ کر بیٹھ گئے۔ اور اِدھر اُدھر کی باتیں شرُوع کردیں۔ ایک لڑکا جو سب سے زیادہ تھک گیا تھا کسی پتھر سے کمر لگا کے لیٹنے لگا ایاس نے کہا بھئی وہاں سے ہٹ جاؤ اور ادھر آکے لیٹ جاؤ۔ وُہ

بڑا ضدی تھا۔ وہاں سے نہ ہٹا۔ اس پر ایاس نے پھر اصرار کیا اور کہا
کہ کم بخت اس پتھر کے نیچے سانپ ہے اس پر سے اُٹھ جا۔ اب تو یہ
لڑکا بڑا سٹ پٹایا۔ اور چونکہ اُسے یقین تھا کہ ایاس کی باتیں سچی ہوا
کرتی ہیں۔ سراسیمہ وار اُس پتھر سے بہت دُور جا کھڑا ہوا۔ یہ دیکھ کر بعض
مَن چلے لڑکوں کو خیال ہوا کہ آؤ ایاس کی بات کو آزمائیں۔ اُنہوں نے
لکڑی لیکر بڑی احتیاط سے پتھر کو ہٹایا۔ دیکھا تو واقعی اُس کے نیچے ایک
سانپ لیٹا ہوا ہے۔ لڑکوں نے فوراً لکڑیوں سے اور پتھروں سے
اُس کو مار ڈالا۔ اور پھر ایک حیرت آمیز لہجے میں دریافت کیا "کیوں ایاس!
تمہیں کیسے خبر ہوئی کہ پتھر کے نیچے سانپ لیٹا ہے" اس نے کہا "یہ پتھر ایک
طرف سے کسی قدر سیلا ہوا تھا۔ جس سے مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ اس
کے نیچے ضرور کوئی نہ کوئی جانور ہے جس کے سانس نے اس کو نمی
پہنچائی ہے"۔

خیر یہ قیاسات تو ایسے ہیں کہ جن سے ہم ایاس کے ہمجولیوں کی طرح
زیادہ تر تعجب ہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ اگرچہ وُہ کسی قدر مشق کے بھی محتاج
ہیں۔ لیکن اکثر خداداد ہوتے ہیں۔ اور ان کی تقلید کرنا ازبس مشکل ہے۔
اِن کے علاوہ البتہ اِس بے نظیر شخص کی زندگی میں ایسے واقعات بھی
پائے جاتے ہیں۔ جو ہر طرح قابل تقلید ہیں۔

ایاس* ابھی لڑکا ہی تھا کہ اسے ایک عجیب آفت کا سامنا ہوا۔ دمشق
کے ایک مقطع صورت اور بدسیرت بُڈھے نے چالبازی سے اس بیچارے
کا مال ہضم کر لیا۔ ایاس اس سے روپیہ مانگتا تھا۔ مگر وُہ دغاباز نہیں
دیتا تھا۔ آخرکار مظلوم لڑکے نے تقاضا کرنا چھوڑ دیا اور اسکی خوشامد

* لمستطرف ۱۲

درآمد شروع کی۔ مگر بڑے میاں کو روپیہ دینا منظور ہی نہ تھا وُہ نہ پسیجے ایاس نے ہزار منت کی۔ لیکن اُن کے کانوں پر جُوں تک نہ چلی۔ والدین کے سوا ایاس کے سارے عزیز و اقربا موجُود تھے لیکن اس بہادر لڑکے نے اپنا کام اپنے ہی دست و بازو سے لینا پسند کیا۔ وُہ بُڈھے کو جبرًا پکڑ کے شہر کے قاضی کے پاس لیگیا۔ اور سرِ اجلاس کہا کہ "قاضی صاحب کا خدُا بھلا کرے یہ بُڈھا بڑا ظالم ہے۔ میرا مال دغا بازی سے لیکر ھضم کرچکا ہے اور اب اس سے مانگتا ہُوں تو دیتا نہیں"۔ قاضی نے کہا "اے ناسمجھ اور گُستاخ لڑکے بُڈھوں کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آیا کرتے۔ وُہ تجھ سے بڑا ہے اس کا ادب کر"۔ ایاس نے بے ساختہ جواب دیا "جس کو حق کہتے ہیں وُہ مجھ سے اور اس سے اور خود قاضی صاحب سے بھی بڑا ہے"۔ قاضی اس پر سخت برافروختہ ہُوا۔ اور ایاس سے کہا "بس۔ خاموش رہ" ایاس نے کہا "مَیں خاموش رہُونگا۔ تو میری طرف سے عدالت میں لڑنے کون آئیگا"۔ قاضی کے غصّے کی اِنتہا نہ رہی۔ اس کے پاس اگر کوئی شرعی عُذر ہوتا تو وُہ ایاس کو سزا دئے بغیر نہ چھوڑتا۔ لیکن جیسا کہ مثل مشہور ہے۔ کہ "سانچ کو آنچ نہیں"۔ وُہ اِس معاملے میں سراسر بے اختیار تھا۔ ناچار کہا تو یہی کہا "اچّھا کہہ جو کہنا ہے۔ مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہُوں کہ تیری زبان سے کلمۂ خیر نہیں نکلیگا"۔ ایاس نے (قاضی کو جھُوٹا بنانے اور اس کی قسم توڑنے کے لئے) کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ یعنے خدُا ایک ہے اور اس کا کوئی ساجھی نہیں قاضی نے شرما کے گردن جھکا لی اور پھر کچھ سوچ کر ناحق مقدمہ کو خارج کردیا۔

اگرچہ اُس زمانہ میں اپیل کی عدالتیں موجود نہ تھیں۔ لیکن جاسوسوں کا بہت دستور تھا۔ اور رعایا کی ہر ایک بات خلیفہ تک پہنچتی تھی۔ چنانچہ ایاس کی روئداد بھی جاسوسوں نے خلیفۂ وقت حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو جا سُنائی۔ عمر بن عبدالعزیزؓ بڑے نیک دِل اور دُور اندیش خلیفہ تھے۔ اور اپنے عدل و انصاف کی وجہ سے "عمرِ ثانی" کہلاتے تھے۔ وُہ اس لڑکے کی راستبازی اور اخلاقی جُرأت سے بڑے خوش ہُوئے۔ اور قاضی کی بیجا طرفداری اور تنگ مزاجی پر بہت ناراض ہوئے۔

قاضی صاحب کو اُسی دن اس مضمون کا ایک فرمان پہنچا "امیرالمومنین نے تم کو معزول کیا۔ اور تمہاری بجائے ایاس بن معاویہ کو قاضی دمشق کیا"۔

وُہی ایاس جو کل دمشق کے گلی کُوچوں میں جُوتیاں پٹخارتا[1] پھرتا تھا۔ اپنی راستبازی اور ذہانت کے باعث دارالقضا کی مسند پر جلوہ افروز ہوا۔ اور ایک عرصہ تک بڑی نیکنامی کے ساتھ دمشق اور بصرہ میں انصاف کرتا رہا۔ وُہ بڑا عالم نہ تھا۔ لیکن معاملہ فہم اور راستباز انتہا کا تھا۔ اور سی وجہ سے خلیفہ عمرؓ نے جو اس کے ابتدائی حالات اپنے جاسوسوں کی زبانی سُن چکے تھے اُسے قاضی بنایا تھا۔

ایاسؒ کی ذہانت نے وُہ شہرت پائی کہ مدائنی جیسے عالم مؤرخ نے اُس کی عاقلانہ حکایات کو جمع کر کے ایک کتاب بنائی اور اسکا نام "زکن ایاس" رکھا۔ ایاس نے ۱۲۲ھ میں وفات پائی۔

خُدا کرے کہ ہم بھی ایاس کی طرح راست گو اور راستباز بنیں۔ کیونکہ راستی انسان کا سب سے بڑا فرض ہے۔

[1] چٹخاتا

ضاحۃ الطرب ۱۲

بدقسمتی سے آجکل کے بچے ہی نہیں بلکہ بوڑھے بھی سچ کو اکثر اپنے دلوں ہی میں رکھتے ہیں - لیکن بچو! اگر تم ترقی کے زینے پر چڑھنا چاہتے ہو تو ایاس کی طرح سچ بولو اور ڈنکے کی چوٹ سچ بولو ٭

بُری صُحبت

(از جناب منشی احمد حسن خانصاحب بی - اے)

زمانے میں صحبت بُری اک بلا ہے
بچو اس سے بچّو یہ قہرِ خدا ہے

بُری دل کی کھوٹی یہ میٹھی چھُری ہے
یہ اِک جَو فروش اور گندم نما ہے

مٹھائی کی صورت میں گو جلوہ گر ہو
حقیقت میں یہ زہر ہے سنکھیا ہے

جلانے میں مشہور ہے گرچہ بجلی
خدا جانتا ہے یہ اُس سے سوا ہے

ہوا اس سے آباد شہرِ خموشاں
الٰہی یہ کس شخص کی بد دُعا ہے

سمندر میں دُنیا کے بیڑے ڈبوئے
یہ آندھی ہے طُوفاں ہے کالی گھٹا ہے

خُدا کی قسم جنکو اِس نے بگاڑا
نہیں اُن کی تربت پہ جلتا دیا ہے

جوانی کے خرمن پہ بجلی گرا دی
لگے آگ ظالم کو یہ کیا کیا ہے

کہاں لیگئی پھُول یہ باغبانوں
نہیں باغِ عالم میں انکا پتا ہے

پڑیں بہاریں ایسے صرصر کے جھونکے
دیا ہوش کا جن سے اکثر بجھا ہے

صُراحی میں مے بنکے ہے یہ چھلکتی
یہی تلخیٔ مے میں رنگِ فنا ہے

نحوست کو گر فرض کشتی کریں ہم
نحوست کی کشتی میں یہ ناخدا ہے

بچائے خدا نوجوانوں کو اس سے
یہ ہی احمدِ نیم جاں کی دُعا ہے

وُہی لڑکا جو چھاپاخانہ میں مزدُور تھا

بچوں کے اخبار کے پچھلے نمبر میں بنجمن فرنیکلن کے بچپن کے کچھ حالات لکھے گئے تھے۔ اور وعدہ کیا گیا تھا کہ کسی دُوسرے پرچہ میں اس دانشمند اور عالی حوصلہ شخص کے بچپن کے کچھ اُور دلچسپ حالات بھی لکھے جائینگے - چنانچہ آج کچھ اُور حالات قلمبند کئے جاتے ہیں۔

سیٹی کے قصّہ کی طرح وُہ اپنے حالات میں اپنے بچپن کا ایک اَور تجربہ لکھتا ہے جسے وُہ کہتا ہے کہ مَیں نے سیٹی کے قصّہ کی طرح ہمیشہ یاد رکھا۔ وُہ لِکھتا ہے مجھے یاد ہے کہ مَیں چھ سات سال سے بڑا نہیں تھا کہ ایک روز جاڑے کے موسم میں ایک شخص کندھے پر کُلھاڑی رکھے ہُوئے ہمارے گھر میں چلا آیا۔ اور مُسکرا کر مجھے پُوچھنے لگا کہ پیارے لڑکے کیا تمہارے باپ کی سان ہے"؟ "ہاں صاحب" مَیں نے جواب دیا۔ اُس نے کہا "تم کیسے پیارے بچے ہو - کیا تم مجھے یہ کلہاڑی سان پر لگا لینے دوگے"؟ اُس نے جو میری تعریف اور خوشامد کے کلمے کہے تھے۔ اُنہیں سُنکر مَیں نے کہا "ہاں صاحب - سان دوکان میں لگی ہُوئی ہے"۔ اس پر اُس نے میری کمر ٹھونک کر کہا - "اور تم تھوڑا گرم پانی لاؤ گے"؟ مَیں بھلا انکار کیسے کرسکتا تھا - مَیں دَوڑ کر پانی کی کیتلی لے آیا - اُس نے کہا "تم بڑے ہونہار معلوم ہوتے ہو - تمہاری عُمر کیا ہے"؟ اور ابھی میں نے اسکا جواب بھی نہیں دیا تھا کہ وُہ کہنے لگا - "اس میں کیا شک ہے - میں نے تم سے اچھا لڑکا کبھی نہیں دیکھا - تم ذرا چند منٹ سان کو گھماؤ گے"؟ مَیں بیوقوف کی طرح خوشامد سے پھُول کر سان کو زور زور سے گھُمانے لگا

۔۔ میں اُس دن کو آج تک نہیں بھولتا ہوں ۔ یہ نئی کلہاڑی تھی ۔ اور میں نے اس پر اتنی محنت کی اور اتنے زور سے سان کو کھینچتا رہا کہ میں تھک کر چُور ہو گیا ۔ اِتنے میں مدرسہ کی گھنٹی بج گئی مگر میں نہ جا سکا ۔ میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے مگر ابھی تک کلہاڑی آدھی بھی تیز نہیں ہوئی تھی غرض کچھ دیر کے بعد کلہاڑی تیار ہو گئی ۔ تو اُس کے مالک نے مجھے کہا۔ "ارے اُلّو کے پٹھے تم نے خوب کام کیا ہے ۔ اب مدرسہ کو بھاگ جاؤ نہیں تو پٹو گے" افسوس! میں نے اپنے دِل میں کہا ۔ ایسی سردی کے دِن سان کا گھمانا ہی بڑا مشکل تھا ۔ لیکن اُلّو کا پٹھا کہلوانا تو نہایت ہی دردناک ہے ۔ یہ بات میرے دِل میں کُھب گئی اور میں نے ہمیشہ اس بچپن کے واقعہ پر غور کیا ہے۔

بنجمن فرنیکلن اس بیہُر سامانی سے فلاڈلفیا میں پہنچا ہے

جب کوئی سوداگر اپنے گاہکوں سے نہایت چرب زبانی سے پیش آتا ہے ۔ اور ضرورت سے زیادہ اُن کی تواضع کرتا ہے تو میں خیال کرتا ہوں کہ یہ اپنی کلہاڑی لگانا چاہتا ہے ۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص لوگوں کی خوشامد کرتا ہے اور آزادی کی محبت کے بڑے ڈینگ مار رہا ہے ۔ بحالیکہ پرائیویٹ زندگی میں بڑا ظالم ہے تو میں کہتا ہوں کہ لوگو وُہ چاہتا ہے کہ تم سے سان گھموائے ۔ جب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص حکام کی خوشامد کر کے کسی عُہدہ پر پہنچ گیا ہے بحالیکہ اُس میں کوئی لیاقت نہیں ہے ۔ تو میں

کہتا ہُوں کہ بدنصیب لوگو تمہیں کچھ عرصہ تک اس کی سان گھمانی پڑیگی -

فرینکلن بچہ ہی تھا کہ ایک دفعہ وُہ ایک پادری صاحب کے مکان پر اُن سے ملنے گیا - پادری صاحب نے مُلاقات ختم ہونے کے بعد گھر کے پچھلی طرف سے اُسے نکالدیا - اور وُہ چند قدم ہی ایک تنگ کُوچہ میں گیا ہوگا کہ پادری صاحب نے پکار کر کہا "جُھک جاؤ - جُھک جاؤ" مگر وہ اُس ہدایت کا مطلب فوراً نہ سمجھ سکا - اور اُس نے ایک قدم آگے بڑھایا تھا کہ اس کا سر ایک دیوار میں سے نکلے ہُوئے شہتیر سے جالگا - "میرے لڑکے"۔ پادری صاحب نے کہا "تم ابھی نوجوان ہو اور اور دُنیا تمہارے سامنے ہے - س میں سے گذرنے کے لئے جُھکنا سیکھو - تو بہت موقعوں پر ٹکّروں سے بچ جاؤ گے"۔ مگر ظاہر ہے کہ موقع پر جُھکنا اور عُمدگی سے جُھکنا کوئی آسان سبق نہیں ہے جو کسی دُوسرے سے سُنکر یاد ہو جائے -

جب کوئی شخص غصّہ میں لال پیلا ہو کر تمہارے سامنے کھڑا ہوا تم سے بحث کر رہا ہے - اور تم جانتے ہو کہ وُہ غلطی پر ہے لیکن اگر تم بھی اُسی کے برابر بلند آواز سے بولنے اور اُسی کی طرح گھسیانے ہو کر زمین پر پیر مارنے لگو تو بیوقوفی کی بات ہے - تیز ہَوا کے سامنے جُھک جانا ہرگز بیعزتی کی بات نہیں - جب تم ایک دیوانے کتّے کی راہ سے بھاگ کر الگ ہو جاتے ہو تو دیوانے آدمی کی باتوں کا کیوں جواب دیتے ہو - خوبصُورتی سے جُھک جاؤ - اور جب طُوفان ذرا تھمے تو نرم نرم لفظ کہتے رہو - جب کسی غلطی یا قصُور کے لئے تمہیں ملامت کی جائے - یا کسی فروگذاشت کا تم پر اِلزام لگایا جائے تو جُھک جاؤ !

اگر تم نرمی سے اتنا کہدو کہ "میں جانتا ہوں میں غلطی پر تھا۔ مجھے معاف کرو"۔ تو تم نے شکایت کرنے والے مخاطب کا تمام غصّہ چھین لیا ہے۔ میں نے اِسے آزما کر دیکھا اور نہایت موثّر نسخہ پایا ہے۔

ایک روز ایک دوست میرے پاس آیا جس کا چہرہ غصّے سے تمتما رہا تھا۔ اور وُہ ایسا آگ بھبھوکا ہو رہا تھا کہ گویا ابھی بارود کی طرح بھک سے اُڑ جائیگا۔ کیونکہ میں نے ایک وعدہ خلافی کی تھی۔ میں نے طُوفان کے آثار دُور سے دیکھ لئے تھے۔ اور جُوں ہی کہ وُہ میرے قریب پہنچا۔ میں نے اُس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ کر کہا۔ "مجھے بڑا افسوس ہے۔ میں بھُول گیا تھا۔ مجھے اس مرتبہ معاف کرو"۔ اب وُہ کیا کہہ سکتا تھا۔ وُہ خاموش ہی رہا اور میں ملامت سے بچگیا۔

جس زمانہ میں بنجمین فرنیکلن نے اپنے بڑے بھائی کے چھاپہ خانہ میں شاگردی اختیار کی تو اُس نے دیکھا کہ اُس کا بھائی اور کارخانہ کے دوسرے ملازم جب کام چھوڑ کر کھانا کھانے جاتے تھے تو انہیں بہت سا وقت آنے جانے میں صرف ہوتا تھا۔ اور چُونکہ یہ کتابیں پڑھنے کے لئے ہر طرح وقت میں کفائت شعاری کرنا چاہتا تھا۔ اُس نے اپنے بھائی کو کہا کہ تم جس قدر دام میرے کھانے کے دیتے ہو۔ اُس سے نصف مجھے نقد دیدیا کرو۔ اور میں اپنا کھانا یہیں چھاپاخانہ میں اپنے ہمراہ رکھا کرونگا۔ چنانچہ اُس کے بھائی نے یہ بات منظور کرلی۔ اور بنجمین فرنیکلن خشک روٹی اور کشمش وغیرہ میوجات خرید لاتا۔ اور جب سب لوگ کھانا کھانے مطبع سے باہر جاتے تو یہ اپنا سادہ کھانا کھا کر اور پانی پی کر جو وقت وُہ اس طرح بچاتا تھا مطالعہ میں خرچ کرتا۔ فرنیکلن لکھتا

ہے کہ اس طرح گوشت ترک کر دینے سے جو گراں بھی ہوتا ہے۔ اور سبزیوں اور میوہ جات پر گذارہ کرنے سے میرے ہوش اور بھی تیز ہو گئے۔

چھاپہ خانہ میں کام کرنے کے زمانہ میں فرینکلن نے لکھنے پڑھنے میں بہت سی لیاقت حاصل کر لی۔ وہ اپنے حالات میں بلا مدد اُستاد کے انگریزی زبان میں اچھی طرح اپنے خیالات ظاہر کر سکنے کی ترکیب ایسی اچھی بتاتا ہے کہ مجھے یقین ہے کہ جو نوجوان آج بھی اس کی مثال کی پیروی کریں۔ وہ بھی ضرور اُسی کی طرح کامیاب ہو گا۔

کہیں سے کتاب سپکٹیٹر کی ایک پرانی جلد مجھے مل گئی۔ میں نے پہلے یہ کتاب نہیں دیکھی تھی۔ میں نے اسے بار بار پڑھا۔ میری طبیعت اس سے نہایت خوش ہوئی۔ میں نے اس کی طرز تحریر کو بہت پسند کیا اور میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ اس کی نقل اتاروں۔ اس نظر سے میں نے اس کے بعض مضامین کو چُن کر ان کے ہر فقرہ کے مطالب کا خلاصہ کیا۔ اور چند روز انہیں پڑا رہنے دیا۔ اور پھر بلا کتاب کو دیکھنے کے میں نے کوشش کی کہ ان مضمونوں کو اصلی صورت میں لکھ سکوں۔ اور ہر خیال کو اسی پیرائہ میں ادا کروں جیسا کہ اصل کتاب کی خوبصورت عبارت میں ادا کیا گیا ہے۔ اور نہایت موزون الفاظ جو میرا دل پیش کر سکا میں نے استعمال کئے۔ پھر میں نے اپنے مضمون کا اصل سپکٹیٹر سے مقابلہ کیا۔ مجھے اس میں چند غلطیاں نظر آئیں جو میں نے صحیح کیں مگر میں نے دیکھا کہ مجھے بہت سے لفظوں کی ضرورت تھی۔ اور نیز انہیں مناسب موقع پر استعمال کرنے کا طریقہ بھی درکار تھا۔

غرض نوجوان فرینکلن نے اس ترکیب سے بہت اچھی طرز تحریر سیکھ

لی۔ اور وُہ لکھتا ہے کہ اِسی کا نتیجہ تھا جو مَیں اپنی آئندہ زندگی میں اپنے اخبار میں اور امریکہ کی پارلیمنٹ میں اپنے خیالات کو سُلجھا کر بیان کر سکتا تھا۔ فرنیکلن کہتا ہے کہ میرے بڑے بھائی کی طبیعت سخت تھی اس لئے میرا اُس کے ساتھ مدّت تک گذارہ نہ ہو سکا۔ اور مَیں نے بوسٹن سے نیو یارک جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن سفر کے لئے کرایہ اپنی کتابیں بیچ کر بنایا۔ مگر نیو یارک کے کسی مطبع میں اُسے کام نہ ملا۔ اور وہاں سے اُسے فلاڈیفیا کو جانا پڑا۔ یہاں اُسے ایک مطبع میں سیسہ کے حروف جوڑنے کا کام مل گیا۔ اور اپنی محنت اور پڑھنے کی عادت سے یہاں کے کئی نوجوانوں سے اُس کی ملاقات بڑھتی گئی۔ جس روز فرنیکلن اس شہر میں پہنچا تھا اُس کے پاس وُہی تین پیسے تھے کہ جن سے اُس نے پہلی ہی شام کو تین روٹیاں خرید لی تھیں۔ لیکن کون اس لڑکے کی بے سرو سامانی کی اس شام کو دیکھ کر کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک روز اس شہر کا سب سے بڑا اور سب سے قابلِ عزّت باشندہ ہو جائیگا۔ ایک روز اسی مفلس بچّے کی طرف تمام امریکہ کی نظریں لگی ہُوئی ہونگی۔ اور وُہ اُس کے علم فضل دانائی اور

نوجوان محسن فرنیکلن سان گھما رہا ہے

تدبیر پر اعتبار کرکے نہایت نازک وقتوں میں فرانس اور انگلستان میں اُسے اپنا سفیر بناکر بھیجینگے ۔ اور وُہی لڑکا جسے بچپن میں علم حاصل کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا تھا بڑا ہوکر دُنیا کو بتلائیگا کہ جو بجلی آسمان پر تڑپتی ہے یہ وُہی ہے جسے زمین پر ہم دو چیزوں کے رگڑنے سے پیدا کرتے ہیں ۔ اور مرنے سے پہلے پانچ سات غیر مُلکوں کی زبانوں میں گفتگو کرسکیگا +

تعلیم و تربیت

نتیجہ طبع جناب مولوی محب حسین صاحب ایڈیٹر رسالہ معلّم نسوان حیدرآباد دکن

(۲)

"ہر کام میں علم و ہنر کی ضرورت ہے"

ہر کار میں تعلیم و ہنر ہے درکار انسان ہے بے علم و ہنر کے بے کار
جس میں کہ نہیں علم و ہنر کا بازار ہوتے نہیں اُس ملک میں پیدا گوہر

"مدارس میں علم اخلاق کی تعلیم ضروری ہے"

مَیلان بُرائی کا کہو کس میں نہیں اخلاق کی تعلیم مدارس میں نہیں
تعدیلِ قوائے نفس کچھ اس میں نہیں کافی نہیں تحصیل زبانوں کی محبّ

"اِنسان بغیر علم کے ایک ناتراشیدہ پتھر ہے"

محنت ہی سے حاصل بھی ثمر ہوتا ہے ہر تُخم ریاضت سے شجر ہوتا ہے
پتھر بھی جو ترشے تو گہر ہوتا ہے کیونکر نہ تربیت سے انساں کامل

"بغیر علم و عمل کے انسان کو دولت بھی کوئی فائدہ نہیں دیتی"

ہے عالمِ نادار سے ہر طرح کا سُود کیا جاہلِ زردار کی زر سے بہبود
بے علم و ہنر ہیچ ہے انساں کا وجود دُنیا میں تو ہے علم و ہنر کی عزت

اخلاق اور آداب

پرایا مال اپنے کام میں نہ لاؤ

پنڈت نردھرا سنہ صاحب بشواسی ایڈیٹر بدھ پرچارک نے مندرجہ ذیل مضمون بچوں کے اخبار کے لئے بہت ضروری سمجھ کر بھیجا ہے جو دو سال گذرے ہیں۔ ان کے ایک دوست نے ان کے لئے لکھا تھا۔ اور چونکہ اس مضمون میں بچوں کی روزمرہ زندگی کے ایک نہایت ضروری واقعہ کی نسبت لکھنے والے کے ایک ذاتی تجربہ کا بڑے پُر اثر طریقہ میں بیان کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ نوعمر پڑھنے والوں کو یہ بیان واقعی بہت دلچسپ معلوم ہوگا۔

پچیس سال سے کچھ زیادہ عرصہ گذرا کہ میں لاہور کے مشن سکول میں کہ جو اب بھی بدستور رنگ محل میں ہے پڑھا کرتا تھا۔ ایک روز حسب معمول دعا کے بعد لڑکوں کو جو ۱۵ منٹ کی چھٹی ملا کرتی تھی۔ اور جس وقت میں کہ لڑکے خوشی خوشی اِدھر اُدھر کھیلتے کودتے اور دوڑتے بھاگتے پھرا کرتے تھے۔ میں بھی کھیل رہا تھا۔ کہ ایک بیل پائے کے قریب دفعتہً میری نظر ایک چونی پر پڑی۔ کہ جس کے پاس ہی سلیٹ پنسل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی پڑا تھا۔ میں نے چپ چاپ دونوں چیزوں کو اُٹھا لیا۔ اور کھیلتے کھیلتے اپنے ایک ہم جماعت کو وہ چونی دکھا کر بیل پائے کے پاس پڑی ہوئی ملنے کا ذکر بھی اس سے کر دیا۔ وہ یہ سن کر نصف کا دعوے دار ہو گیا۔ اور مجھے یہ کہہ کر ڈرا لیا۔ کہ اگر میں اُسے اس میں سے

دو آنے نہ دونگا۔ تو وہ سب لڑکوں سے اُس کو ذلیل کرائیگا۔ اور پھر جسکی یہ چوری ہوئی وہ لے لیگا۔

میں نے بھی دیکھا کہ اس طرح پر میرے پاس تو بھی کچھ نہ آئیگا۔ میں نے میں نے دو آنے تو اُس کو دیدیئے اور دو آنے میں پیتل کا ایک نہایت خوش رنگ چھوٹا سا قلمدان کہ جس کے نیچے دوات لگی رہتی ہے۔ اور بیچ میں چھوٹی سی انگریزی لکھنے کی قلم ہوا کرتی ہے خریدا۔ اور بڑی خوشی سے کہ جیسے مجھ کو کوئی دُنیا کی بہت بڑی دولت مل گئی تھی اُسے لے کر اپنے گھر گیا۔ گلی میں پہنچ کر اپنا قلمدان ایک ایک لڑکے کو دکھاتا اور خوش ہوتا پھرا۔ گھر جاکر میں نے اپنی والدہ صاحبہ کو بھی وہ عجیب چیز بڑے شوق اور خوشی سے دکھائی۔ اور جب اُنہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ یہ تجھے کہاں سے ملا ہے۔ تو میں نے ساری کہانی سچ سچ بیان کردی۔ جسے سُن کر پہلے تو وہ کچھ خفا ہوئیں۔ اور پھر بڑے پیار سے مجھے گود میں لے کر سمجھانا شروع کیا۔ کہ بیٹا اگر تم کو کسی دُوسرے کی کوئی چیز کہیں پڑی ہُوئی ملے۔ تو اوّل تو اُسے اُٹھاؤ ہی نہیں۔ اور اگر اُٹھا بھی لو تو یہ بخوبی اپنے ذہن نشین کر لو کہ پرایا مال اپنے کام میں نہ لاؤ۔ بلکہ اُس کے اصلی مالک کا پتا لگا کر اُس کے حوالہ کر دو۔ کیونکہ جو چیز تمہاری نہیں ہے اُس کو اپنے استعمال میں لانے کا تمہارا کوئی حق نہیں۔

یہ کہ کر وہ اُٹھیں اور رسوئی گھر سے سل بٹہ لاکر میرے آگے رکھدیا اور حکم دیا کہ اس قلمدان کو ابھی توڑو۔ نصیحت کی باتوں تک تو خیر تھی۔ اور میں انہیں اچھی طرح سُنتا بھی رہا۔ مگر وہ سل بٹہ اور اس پیارے پیارے

خوبصُورت قلمدان کو توڑنے کا حکم سُن کر میرے تو ہوش اُڑ گئے اور مَیں نے خوشامد۔ محبت۔ خفگی۔ رنجیدگی۔ مچلنا۔ غرض ہر طرح پہ بہتیرا ہی اصرار کیا اور یہ چاہتا رہا کہ کسی طرح والدہ صاحبہ اپنے حکم کو بدل دیں۔ مگر میری کوئی اپیل بھی منظور نہ ہُوئی۔ مجھے اچھّی طرح یاد ہے اور ایسا یاد ہے کہ جیسے یہ واقعہ ابھی گذرا ہے کہ مجھے وُہ اُس وقت کا اپنا نہایت پیارا اور خوبصُورت قلمدان اپنے ہی ہاتھوں اُسی سِل بٹّے سے توڑنا اور کُچلنا پڑا۔

جب قلمدان کا اِس طرح خاتمہ ہو چُکا اور میرا دِل اُس صدمے سے نہایت بیچین اور تکلیف میں تھا۔ تو والدہ صاحبہ نے پھر مجھے گود میں لیکر پیار کرنا شروع کیا۔ اور کہا کہ مَیں تم کو ابھی اس سے بھی خوبصُورت قلمدان منگا دیتی ہُوں۔ اس قلمدان کو تمہارے ہی ہاتھوں سے تڑوا دینے سے میرا منشاء صرف یہ ہے کہ تمہارے دل میں آیندہ کسی دُوسرے کی کوئی چیز لے کر یا چھپا کر رکھنے کا خراب اثر جڑ نہ پکڑ جائے کہ جس سے آیندہ ساری عمر کے لئے تم خود بُرے بنو اور دُوسرے لوگ بھی کہ جن کو تمہاری اس ناواجب عادت کا علم ہو تم کو ذلیل اور ناقابلِ اعتبار سمجھیں۔

اِسی طرح کی بہت سی باتیں سمجھا بجھا کر والدہ صاحبہ نے مجھے کچھ مٹھائی کھانے کے لئے دی۔ اور اگلے روز جب مَیں سکول جانے لگا تو ایک چونّی اپنے پاس سے دیکر کہا یہ اپنے اُستاد کو دیدینا۔ وُہ خود ہی دریافت کرکے جس لڑکے کی گری ہوگی۔ اُس کو دیدینگے۔ مَیں نے سکول میں جاکر چونّی اور سلیٹ پنسل کا ٹکڑا اُستاد کے حوالے کیا۔ اور کل کی ساری داستان کہ جس طرح پہ اور جہاں سے وُہ چیزیں مجھے ملی تھیں بیان کردی۔

حسبِ معمول دُعا کے بعد جبکہ ساری جماعتیں ابھی گیلری میں موجود تھیں۔ اُستاد نے بآواز بلند سب لڑکوں سے دریافت کیا۔ کہ کل کسی لڑکے کا کچھ گر پڑا ہے؟ ایک لڑکے نے اپنی چوتی اور سلیٹ پنسل کا ٹکڑا چھٹی کے وقت کھیلتے ہُوئے گرنا بتلایا اور اُستاد نے دونو چیزیں اُس لڑکے کے حوالہ کر دیں۔

پادری فورمن صاحب نے جب یہ سارا ماجرا سُنا۔ تو وُہ بہت ہی خوش ہُوئے۔ اور اُسی وقت سب لڑکوں کے سامنے میری والدہ صاحبہ کے مجھے یہ سبق دینے پر اُن کی بہت ہی تعریف کی۔ پادری صاحب کی اس وقت کی کہی ہوئی باتیں مجھے سب یاد نہیں۔ ہاں ان باتوں کا مطلب مَیں ابھی تک نہیں بھُولا۔ پادری صاحب نے اس بات پر بہت زور دیا تھا۔ کہ بچہ ماں کی گود میں جتنے بھلائی اور نیکی کے سبق سیکھتا ہے۔ وُہ باوجود زود اثر ہونے کے دیر پا ہوتے ہیں۔ اور اُن کی جڑیں دِل کے اندر اتنی گہری جاتی ہیں۔ کہ بڑی بڑی زبردست مخالف طاقتیں بھی اُن کے نکالنے میں قاصر رہ جاتی ہیں۔ مبارک ہیں وُہ مائیں جو اپنے بچوں کو نیکی بھلائی اور پاکیزگی کے سبق سکھاتی ہیں۔ اور بہت ہی مبارک اور خوش قسمت ہیں وُہ بچے کہ جن کو ایسی فرشتہ صفت مائیں نصیب ہوں۔

ناظرین میری والدہ صاحبہ نے مجھے بچپن میں کئی ایک نیک ہدایتیں کیں اور بارہا مجھے بُرے راستوں پر پڑتے ہُوئے دیکھ کر محبت پیار اور سرزنش کے ذریعہ اُن سے باز رکھا۔ جب کبھی کسی موقع پر مجھے والدہ صاحبہ کی نصائح کہ جو اس وقت اکثر مجھ کو کڑوی لگا کرتی تھیں۔ یاد آجاتی ہیں۔ تو میرا دِل ایسی پیاری اور مہربان ناصحہ کے قدموں

میں جھک جاتا ہے - اور ان کی محبت اور یادگار کو تازہ کردیتا ہے -
یُوں تو کون نیک دِل ہے کہ جو اپنے والدین کو بالکل بھُول جاسکے - مگر
میرے لئے اُن کی پاک نصیحتیں زندگی بھر کے لئے بہترین یادگار کا اعلیٰ
ذریعہ ہیں -

مذکورہ بالا واقعہ کے بعد گو مَیں نے اور اور بہت سے گناہ کئے اور
اَن گنت موقعوں پر ٹھوکریں کھائیں - مگر کِسی دوسرے کی کوئی چیز بلا
اُس کی اجازت کے اُٹھا کر کبھی اپنے استعمال میں نہیں لایا - اور ابھی
تک اس عمل سے عادتاً ایک قسم کی گھِن اور دلی نفرت یہانتک معلوم
ہوتی ہے - کہ اگر کوئی دُوسرا شخص بھی ایسا کرتا ہوا نظر آوے - تو بہت
بُرا معلوم ہوتا ہے -

میرے لیے اب یہ صداقت صرف خیالی اور ذہنی نہیں بلکہ عملی طور پر
سبقاً سیکھی ہُوئی سچائی ہے کہ بچّوں کا بُرا یا بھلا بننا اور خرابیوں کے رستہ
پر پڑجانا یا نیکیوں اور دھرم کے راستہ کا مسافر ہوجانا پیدائشی فطرت کے
علاوہ بہت کچھ نیک اور بد صُحبت اور چھُٹپن میں ہی ماں باپ اور محافظوں
کی طرف سے اس پہلو میں نگرانی یا لاپرواہی پر انحصار رکھتا ہے - اور
اِسی لئے میں بچّوں یا زیر نگرانی نو عُمر رشتہ داروں کا حتّی الوسع خیال
رکھتا ہُوں اور ان کو موقع بموقع پڑتا لتا رہتا ہُوں +

(راقم - ایک لاہور نواسی)

ہکلانے والے بچّے - جرمنی کے مختلف مدارس میں ہکلانے والے لڑکوں
کے لئے علیحدہ نصابِ تعلیم مقرّر کئے گئے ہیں - شہر برلن میں اس فن کے
چھ ماہرین کو مینونسپل حکّام برلن نے ہفتہ میں بارہ گھنٹہ تعلیم کے لئے مقرّر کیا ہے +

بڑوں کا کہا ماننا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ملک پرشیا میں ریل کی سڑک پر ایک جھنڈی دکھانیوالا سامنے سے آنیوالی ریل گاڑی کو دُوسری سڑک پر لوٹانے کے لئے جھنڈی دکھا رہا تھا تاکہ وُہ مقابل سے آنیوالی ریل سے لڑ نہ جائے۔ دُوسری طرف پھر کر کیا دیکھتا ہے کہ اُس کا چھوٹا لڑکا آنے والے انجن کی سڑک پر کھیل رہا ہے۔ یہ بیچارہ سخت حیران ہُوا کہ کیا کرے۔ یہ ہوسکتا تھا کہ وُہ جھپٹ کر اپنے بچّہ کو بچا لیتا مگر جھنڈی وقت پر نہ دکھلانے سے سیکڑوں آدمیوں کی جانیں ضائع ہوجانے کا اندیشہ تھا۔ اگرچہ وُہ بہت پریشان ہُوا لیکن اپنے بچّے کی جان بچانے سے بھی بڑھ کر اُس کا جو فرض تھا اُسے نہیں بھُولا۔ اُس نے زور سے اپنے بچّے کو پکار کر کہا کہ "لیٹ جاؤ"۔ یہ کہ کر وُہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ ریل کو جس سڑک پر جانا تھا اُس پر پہنچ گئی۔ لڑکا جو ہمیشہ کہا مانا کرتا تھا اپنے باپ کا حکم سُنکر جھٹ لیٹ گیا اور لمبی اور بھاری ریل گاڑی بادل کی طرح گرجتی ہُوئی اُس کے اُوپر سے گذر گئی۔ یہ بات مسافروں کے خواب وخیال میں بھی نہ تھی کہ ایک شریف دِل پر ہماری آمد سے کیا صدمہ گذر رہا ہے۔ باپ اُس جگہ کو دوڑا گیا جہاں لڑکا پڑا ہُوا تھا۔ اُسے خیال تھا کہ مجھ کو اپنے بچّے کی کچلی ہُوئی لاش ملیگی۔ مگر اُسے بہت ہی خوشی ہُوئی جس وقت اس نے یہ دیکھا کہ لڑکا زندہ ہے اور اُس کو بالکل صدمہ نہیں پہنچا۔ ہم نے سُنا ہے کہ یہ بات بادشاہ کے کانوں تک بھی پہنچی۔ دُوسرے دِن بادشاہ نے جھنڈی والے کو بلا بھیجا۔ اور اُس کی بہادری کے صلہ میں اُس کو بہت

کچھ انعام و اکرام دیا۔

کہنا ماننا صرف بچّوں ہی کا کام نہیں ہے۔ اگر فوج کے سپاہی بغیر سوچے سمجھے اپنے افسروں کے حُکم کو ٹالدیں تو کتنی تباہی اور بربادی واقع ہو۔ اگر کوئی شخص یہ کہکر کہ یہ قانون میں نے تو نہیں بنایا اپنے ملک کے قانون کی پابندی سے انکار کرے تو اَور بھی زیادہ خرابی کی بات ہے۔

اِسی طرح بچّوں کا فرض ہے کہ اپنے والدین یا اُستاد کا کہا مانیں۔ خواہ اُن کو یہ معلوم نہ ہو کہ اس حکم میں اُن کی کیا بہتری ہے۔ اگر وُہ پرشیا کا بچّہ حکم ماننے کی عادت نہ رکھتا تو اُس کی جان نہ بچتی۔

ایک آنہ کا بینک۔ مدراس کے یوروپین اور اینگلو انڈین ایسوسی ایشن نے ایک بینک کی بنیاد اس غرض سے ڈالی ہے کہ لڑکوں کو کفایت شعاری سکھلائی جائے۔ اور انہیں کاروبار کی عادت ڈالی جائے۔ بینک میں سوائے چھوٹے بچّوں کے جوان روپیہ نہیں جمع کر سکینگے۔ بینک یہ دو رعائتیں کریگا کہ اوّل شرح سُود امانت پر ۵ فیصدی سالانہ دیگا۔ اور ایک آنہ تک کی امانت رکھ لیگا مگر سال میں ۲۵ روپیہ سے زائد اور کل ۸۰ روپیہ سے اوپر جمع کرنیکا کسی کو اختیار نہ ہوگا۔ دوم امانت مقررہ وقتوں کے اندر لیجاوگی۔ ہفتہ میں ایک مرتبہ سے زیادہ روپیہ واپس لینے کا اختیار نہ دیا جائیگا۔ ہر ایک امانت دار کو پاس بُک ملیگی جو گم ہوجانے پر دو آنہ داخل کرنے سے دوبارہ دیجائے گی۔ مہینہ کے آخر میں جو رقم امانت میں ہوگی اس پر ۵ فیصدی سود لگا دیا جائیگا۔ واپسی امانت کے وقت کچھ پیسے بینک میں چھوڑ دیئے جائیں گے۔ تاکہ حساب بالکل ختم نہ ہوجائے۔ اُمید ہے کہ اس بینک کو کامیابی ہوگی۔ اور بچّے اس کے ذریعہ کفایت شعاری سیکھینگے۔

نوشت و خواند

والدین کی اطاعت

پیارے بچو! آؤ ہمارے پاس کہ ہم تمہیں ماں باپ کے حقوق بتائیں۔ ایسے باپ جو تمہارے پیدائش کے واسطے اور تمہاری تربیت کے وسیلے ہیں۔ تمہارے لئے اچھی اور ضروری چیزیں آرام و آسائش کی مہیّا کر دیتے ہیں۔ تمہارے لئے میٹھی میٹھی چیزیں کھانیکو فراہم کرتے ہیں۔ تمہاری اُن چیزوں کا کہ جن سے تمہارے آداب۔ اخلاق اور علم و ہنر کے حاصل کرنے میں آسانی ہو۔ اِنتظام کرتے ہیں۔ اور تمہارے واسطے طرح طرح کی مصیبتیں اور تکلیفیں اُٹھا کر دُنیوی اسباب جمع کر کے تمہیں ہمیشہ کے لئے بخش دیتے ہیں۔ تاکہ جو چاہو اس سے صرف کرو۔ اور وہ ماں جو تمہارے پیدا کرنے میں تمہارے باپ کے ساتھ شریک ہے۔ اور جس نے تم کو اپنے پیٹ میں رکھا ہے۔ اور ہر طرح کی تمہاری نگاہداشت کی ہے۔ اور ولادت کے وقت اپنی عزیز جان کو خطرہ میں ڈالا ہے۔ تمہاری عمدہ اور لطیف غذا جو دودھ تھی۔ وُہ اُس کے بدن کا جزو تھا جسکو تم پیتے تھے۔ اُس کے پینے سے ہی تمہارے جسم میں بولنے۔ چالنے۔ چلنے۔ پھرنے کی قوت ہُوئی۔ وُہ ایک زمانہ خاص تک تمہاری پرورش اور حفاظت کرتی رہی۔ جب تم کبھی کسی چیز کے لئے ضِد کرتے تھے۔ وُہ چیز تمہاری ماں لا موجُود کرتی تھی۔ اگر روتے تھے

تو اُس کا دِل بیقرار ہو جاتا تھا۔ اور کبھی رات کو چونک پڑتے تھے تو وُہ بھی تمہارے ساتھ جاگ اُٹھتی تھی۔ اور تمہیں تھپک تھپک کر سلا دیتی تھی۔ جب تم کسی بیماری میں مُبتلا ہوتے تھے۔ تو وُہ بھی تمہارے ساتھ بیمار بَن جاتی تھی۔ اور کوئی ایسی غذا نہیں کھاتی تھی۔ جو تم کو مضر ہو۔ اور تمہارے واسطے اچھے اچھے کپڑے سلواتی تھی۔ اور تمہیں پہناتی تھی۔

میرے پیارے بچو! انصاف یہ ہے کہ جب تمہارے لئے تمہارے پیارے ماں باپ اِس قدر تکلیفیں گوارا کرتے ہیں کہ دن کو دن اور رات کو رات نہیں سمجھتے تو تم بھی اپنے ماں باپ کا ہمیشہ ادب و لحاظ کیا کرو۔ کوئی بات اُن کے خلافِ مرضی مت کرو۔ انکے احکام کا پُورا کرنا خدا کی عبادت کے برابر سمجھو۔ سنو میاں لڑکو۔ سب مذہبی کتابوں میں لکھا ہے "جس لڑکے سے انکے پیارے ماں باپ خوش ہوتے ہیں۔ اُس سے اللہ میاں بھی خوش ہوتے ہیں"۔ باپ ماں سے تم دِل سے محبّت کرو۔ کیونکہ اس سے خدا راضی ہوتا ہے۔ کسی دُنیوی طمع اور لالچ سے محبت مت کرو۔ اور ہر دم ان کی بڑائی اور بزرگی اپنی زبان اور اپنے افعال سے ظاہر کرتے رہو۔ اُن کے سب احکام کو مانو بشرطیکہ اُن میں خدا کا کوئی گناہ نہ ہو۔ اگر کوئی بات تمہاری مصلحت کے خلاف ہو تو اُن سے لڑو جھگڑو نہیں۔ بلکہ کسی اچھے پیرایہ سے اُسے ٹالدو۔ دیکھو۔ تمہارے ماں باپ تم کو کِن کِن تکلیفوں اور مشقتوں سے پالتے ہیں۔ جب تم پیدا ہُوئے تو پہلے تمہارا عقیقہ کرایا۔ جب اُس سے کچھ بڑھے تو ختنہ کرایا۔ اُس کے بعد تمہاری بسم اللہ ہُوئی (اگر بیٹی ہے تو عقیقہ کے بعد گوشوارہ کرایا گیا) پھر تمہاری اچھی تعلیم و تربیت کی

طرف توجہ کی جاتی ہے - تاکہ تم اپنی قوم کے ایک نامور آدمی بنو - اور اپنی آیندہ زندگی آرام و آسائش اور عزّت و آبرو کے ساتھ بسر کرسکو - ہر ایک تقریب میں تمہاری خالہ امّا - خالو ابّا اور ممانی امّا - ماموں جان اور اور رشتہ دار خویش و اقارب جمع ہوتے ہیں - اُن سب کے آنے - جانے - رہنے سہنے میں ماں باپ کا بہت کچھ روپیہ صرف ہوتا ہے - جب یہ مہمان تمہارے گھر سے اپنے اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں تو اُس ہونہار لڑکے کی بہت بڑائیاں اور خوبیاں بیان کرتے ہیں - اگر کہیں اس لڑکے کی عادتیں خراب ہیں تو اُس کی مذمّتیں کرتے ہیں - اَے ہونہار لڑکو - تم اپنی عادتیں اچھی بنانے میں کوشش کرو کہ جس میں تمہاری تعریف اور تمہارے ماں باپ کی بھی تعریف ہو - پھر تو تمہارے ماں باپ تمہیں خوش ہوکر اَور بھی زیادہ چاہینگے - جب تم جوان بیاہنے کے لائق ہوتے ہو تو کسی عمدہ جگہ شادی کر دیتے ہیں - اور اس پر اپنی ہمّت اور حوصلے سے بڑھ کر روپیہ خرچ کرتے ہیں - تم خود ہی سوچو کہ تمہاری تعلیم اور شادی بیاہ پر والدین کی گاڑھی کمائی کا کس قدر روپیہ خرچ ہوجاتا ہے - اِس لئے تمہیں بھی چاہئیے کہ انکو ہمیشہ خوش رکھا کرو - جو وُہ حکم دیں خوشی سے بجا لایا کرو - اور تم جب کمانے کے قابل ہوجاؤ اور کچھ اپنی ذات سے حاصل کرو تو تمہیں لائق یہ ہے کہ جو کچھ تم نے حاصل کیا ہے وُہ سب اپنے پیارے ماں باپ کے سامنے پیش کرو - کہ وُہ آپ کھائیں اور تمہیں بھی کھلائیں - اگر تم نے ماں باپ کی اس وقت قدر و منزلت نہیں کی تو یاد رکھو کہ جب اُن کا سایہ تمہارے سر سے اُٹھ جائیگا تو بہت ہی پچھتاؤ گے -

بھولے لڑکو! تم سمجھتے ہوگے کہ تمہاری آماں تم کو زیادہ چاہتی ہیں اور تمہارے ابّا جان تم کو کم چاہتے ہیں۔ ہاں ٹھیک ہے۔ چُونکہ ماں کو تمہارے ساتھ جسمانی تعلق ہے۔ اِس واسطے لڑکے بچپن ہی سے ماں کی اُلفت زیادہ سمجھتے ہیں۔ اور باپ کو چونکہ رُوحانی علاقہ ہے اس وجہ سے جیسے جیسے تم جوان ہوتے جاؤگے۔ باپ کی شفقت تمہارے دِل میں بڑھتی ہُوئی معلوم ہوگی۔ لیکن بیچاری ماں اکیلی تمہارے لئے کیا کر سکتی ہے۔ تمہارے ابّا اگر تمہاری آماں کو گھر کے خرچ وغیرہ کے لئے روپیہ نہ دیں تو کہاں سے تمہاری آماں قسم قسم کے کھلونے اور مٹھائیاں تمہیں خرید کر دیں۔ سوائے ماں باپ کے تمام بزرگوں مثل دادا۔ نانا۔ چچّا۔ ماموں۔ پھوپھا۔ بڑے بھائی اور اسی طرح جو تمہاری ماں کے درجہ میں بڑی عورتیں ہوں ان سب کا بھی ادب و لحاظ کرو +

محمد عثمان شیخپوری

ایک مستعد ہندوستانی شہزادہ ۔ کشف الحقائق لکھتا ہے کہ عالیجناب صاحبزادہ طالع محمد خان بہادر ولیعہد ریاست پالن پور اپنے ہاتھ سے اپنے کپڑوں کی اور اپنی گھڑی کی مرمّت کرتے ہیں۔ یہ تصویر کھینچنے فوٹوگرافی اور نیچرل سائنس (علوم طبعی) سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اندنوں انگریزی میں قانون کی تعلیم پا رہے ہیں۔ سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ صاحبزادہ موصوف کو ان تمام باتوں سے نفرت ہے جنکا بُرا اثر اخلاق اور جسم پر ہوتا ہے۔ یہ سگار سگریٹ اور حقّہ کو بھی مضر صحت بتاتے ہیں۔ جن کی غلامی میں لاکھوں نوجوان ہندوستانی مُبتلا ہیں۔ صاحبزادہ موصُوف اپنے والد بزرگوار کی ہدایتوں کی روشنی میں چلتے ہیں۔ یہ وُہ کام کرتے ہیں جن سے والد خوش ہوں اور وُہ کام نہیں کرتے جن سے والد کو رنج ہو

صبح کا اسکول

نتیجہ طبع وقاد جناب حافظ فضل حق صاحب آزاد عظیم آبادی

غربت میں کیوں دکھائے امارت کا چوچلا — اپنی مدد میں آپ سبکدست ہو چلا
کشتِ امل میں تخمِ ریاضت کو بو چلا — منجن سے خوب دانتوں کو مل منہ کو دھو چلا
بچہ سویرے اُٹھتے ہی اسکول کو چلا

کھانے کو مل گیا ہے تو کچھ کھا لیا کہیں — پایا جواب صاف تو اس کا بھی غم نہیں
ابرو میں بل ہے اور نہ پیاری جبیں پہ چیں — ننھا سا چہرہ اور چمکتی ہوئی جبیں
پھر بھی اسی خوشی سے وہ اسکول کو چلا

ننھے سے دل کو اس کے جو اسکول سے ہے راہ — اک دھن بندھی ہوئی ہے کہ اٹھتی نہیں نگاہ
شوقیہ ہر ادا ہے دلی شوق پر گواہ — کیا جلد جلد پہنے ہیں کپڑے۔ کہ واہ وا
تیار ہو کے گھر سے اب اسکول کو چلا

دل میں ہے ساتھیوں کی طرف سی جو پیچ و تاب — ایسا نہ ہو کہ ہم سے وہ پہلے ہوں باریاب
بے ناشتے کے صبر سمیٹی جوں ہی کتاب — چلتا ہوا جوان کتابیں بغل میں داب
کھٹ پٹ قدم بڑھائے وہ اسکول کو چلا

وہ تیز تیز اُٹھتے ہوئے شوق کے قدم — جن سے عیاں ہے شوکتِ مستقبل و حشم
کہتی ہے ماں کہ زیرِ قدم اُسکے ہوتے ہم — آبا کے دل میں شکرِ خداوندِ ذوالکرم
لیکن نہار منہ ہی وہ اسکول کو چلا

+ ہندوستان میں انگریزی لفظ school (سکول) کا تلفظ اسکول اور سکول دونوں طرح کرتے ہیں۔ عربی کے قاعدہ کے مطابق چونکہ کسی تلفظ کی ابتدا حرف ساکن سے نہیں ہو سکتی۔ اسلئے سکول کے پہلے آ زائد کیا جاتا ہے۔ اور چونکہ اب یہ انگریزی لفظ پورے طور پر اردو زبان میں شامل ہو گیا ہے۔ اس کی اردو کی شکل سکول کی نسبت اسکول بہتر معلوم ہوتی ہے۔ ایڈیٹر

بچّوں کو اخبار کی مبارک

مَیں مُدّت سے اس دن کا منتظر تھا کہ اِس ملک میں کوئی ایسا اخبار نکلے
جو صرف بچّوں کے فائدے کے لئے ہو۔ جسے پڑھ کر وُہ اِس طرح خوش ہوں
جس طرح کوئی کسی دوست کو مل کر خوش ہوتا ہے۔ اور جیسے کوئی نیک
دوست یا بزرگ اُن سے مزے مزے کی باتیں کرتا۔ کبھی کہانیاں سُناتا۔
کبھی کوئی چیستاں کہتا۔ اور ساتھ ہی محبّت سے انہیں نصیحتیں بھی کرتا
جاتا ہے۔ اور بچّوں کو فریفتہ کرلیتا ہے۔ اِسی طرح ہر مہینے کے بعد بچّے
اِس اخبار کے ملنے کے مشتاق رہیں اور جب اُس سے ملیں تو اس کی
باتوں سے خوب لُطف حاصل کریں۔ کیوں صاحب! کیا یہ تعجب کی بات
نہیں ہے کہ مَردوں کے لئے تو بیسیوں اور سینکڑوں اخبار ہوں عورتوں
کے لئے بھی کئی اخبار ملک میں نکل چُکے ہوں اور ہمارے پیارے بچّوں
کے لئے جن سے مُلک کو آیندہ بہتری کی اس قدر اُمّید ہے۔ کوئی اخبار
یا رسالہ نہ ہو۔ اخبار کا پڑھنا تو اب مہذب ملکوں میں ایسا ضروری ہوتا جاتا
ہے جیسے کھانا پینا۔ بہت سے لوگ ہیں جنہیں اگر ایک دن کے لئے اخبار
نہ ملے تو وُہ بےچین ہونے لگتے ہیں۔ ہمارے مُلک میں بھی بہت لوگ
اخبار پڑھنے کے عاشق بن گئے ہیں اور خواہ اُن کی آمدنی قلیل ہی کیوں
نہ ہو۔ کوئی نہ کوئی اخبار ضرور منگواتے یا کسی ہمسایہ یا کسی کُتب خانہ میں
جاکر اخبار ضرور پڑھتے ہیں۔ اور ولایت کے ملکوں کا تو کچھ ٹھکانا ہی
نہیں۔ وہاں تو مہتر جو سڑکیں صاف کرتا۔ اور گھروں کی خادمہ جو
برتن دھوتی اور روٹی پکاتی ہیں۔ وُہ بھی اخبار ضرور پڑھتی ہیں اور مُلک

کی باتوں میں انہیں اس قدر دلچسپی ہوتی ہے کہ جب وُہ ادنے اور غریب لوگ ملکی معاملات پر آپس میں گفتگو یا بحث کرتے ہیں تو اُن کے جوش کی یہ کیفیت ہوتی ہے ۔ گویا کسی نہائت ضروری اور ذاتی معاملہ پر باتیں کر رہے ہیں ۔ اِن اخباروں کے پڑھنے سے اُن کے خیالات میں اُن کی تہذیب میں ہمت میں ۔ علم میں ۔ ملکی ہمدردی میں اس قدر ترقی ہوئی ہے کہ وُہ ملک کے نقصان کو اپنا نقصان اور ملک کے نفع کو اپنا ذاتی نفع سمجھنے لگے ہیں ۔ آج لنڈن میں کوئی بُری خبر دُنیا کے کسی حصّہ سے آجائے ۔ کہ فلاں جگہ کسی انگریزی فوج کو شکست ہُوئی ۔ یا کسی انگریزی جہاز کو سمندر میں نقصان پہنچا تو تمام قوم سہم جاتی ہے لوگ پارلیمنٹ میں جمع ہوتے ہیں ۔ فوراً تدبیریں سوچتے ہیں ۔ اسی طرح کسی خوشی کی خبر پر ہزاروں آدمی اپنے گھروں سے نکل پڑتے ہیں اور بازاروں میں جمع ہو کر اپنی ٹوپیاں اچھالتے ۔ ایک دُوسرے کو گلے ملتے ۔ ہاتھ ملاتے ۔ خوشی کے نعرے کستے بلکہ ناچنے لگتے ہیں ۔

بات یہ ہے کہ اخبار اور رسالے پڑھنے سُننے کی بچپن میں انہیں عادت پڑ جاتی ہے ۔ انکو اپنے ملک کے حالات سے ہر وقت آگاہی رہتی ہے اور آگاہی کا قدرتی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان باتوں میں خاص دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے ۔ صِرف بچّوں کے لئے ہر قسم کے اخبار وہاں بڑے سامان اور آب و تاب سے نکلتے ہیں ۔ ہر عمر کے چھوٹے بڑے بچّوں کے لئے الگ الگ مختلف قسم کے پرچے چکنے کاغذوں پر ۔ رنگین اور عُمدہ تصویریں لئے ہُوئے اور اچھے اچھے آدمیوں کے لکھے ہُوئے چھپتے ہیں کہ جس سے وُہ اپنا دل پرچالیں بچّوں کا اخبار جو مولوی محبوب عالم

صاحب نے نکالا ہے وُہ خبروں کا اخبار تو نہیں ہے ۔ (اگرچہ ممکن ہے کہ بچّوں کے مذاق کی خبریں بھی وُہ اس میں درج کر دیا کریں) لیکن خبروں کے اخبار کی بچّوں کو علیحدہ ضرورت بھی نہیں - یوُرپ میں بھی بچّوں کے لئے خبروں کے اخبار الگ نہیں ہوتے ۔

ہمارے بچّوں کو مولوی محبُوب عالم صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ اُنہوں نے سب سے پہلے ان کے لئے ایک ایسا اچّھا اخبار نکالا ہے ۔ اِس سے وُہ طرح طرح کے فائدے حاصل کر سکتے ہیں ۔ اور اُمید ہے کہ یہ اخبار ملک کے ہزاروں ہونہار بچّوں کی زندگی کو درست کر کے ان کو ملک کے نہایت ہمدرد اور مفید انسان بنا دیگا ۔ جب وہ بڑے ہونگے تو وُہ اس بات پر فخر کرینگے کہ ہم نے سینکڑوں اچّھی اچّھی باتیں اپنے پیارے اخبار سے سیکھی ہیں اور بہت سی نیک عادتیں ہم میں کبھی نہ ہوتیں ۔ اگر یہ اخبار نہ پڑھتے ۔ ان کے لئے خُدا کا شکر کرنا بھی واجب ہے کہ وُہ ایسے وقت میں پیدا ہُوئے ہیں ۔ جب علم اور اخلاق ۔ اور نیکی کے حاصل کرنے کے لئے ایسے ایسے ذریعہ موجود ہیں ۔ اُنکو سوچنا چاہیئے کہ ان کے والدین کو یہ باتیں نصیب نہ تھیں ۔ کاش بچپن کا زمانہ پھر لوٹ آئے اور مَیں بھی اُس خوشی میں شریک ہوں ۔ جو بچّوں کو اپنے اخبار کے نکلنے پر ہوگی ۔ لیکن یہ تو ناممکن ہے ۔ اب میری خوشی اسی میں ہے کہ دوسروں کو جو ابھی بچّے کہلاتے ہیں خوش ہوتا دیکھوں ۔ میرا ارادہ ہے کہ مَیں بھی اس میں کبھی کبھی کچھ لکھا کروں ۔ چنانچہ آج میں اپنے ملک کے پیارے چھوٹے بچّوں سے اس اخبار کے ذریعہ مُلاقات کر کے اپنا سلام اُن تک پہنچاتا ہُوں ۔ اور تہ دِل سے مُبارکباد کہتا ہُوں ۔ خُدا کرے کہ اس اخبار کی عُمر

دراز ہو۔ اور اس کے پڑھنے والے بڑے ہوکر ہندوستان کے نامور اور اچھے باشندے بنیں +

عبدالرشید چشتی بی۔اے

رُوئے زمین کے بچّے

جاپانی بچّے

ترکی بچّوں کے باقی حالات پھر کبھی بیان کئے جائینگے۔ بالفعل جاپان کے بچّوں کے حالات درج کرنے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ کچھ دنوں سے بوجہ اپنی خداداد ذہانت کے جاپانیوں نے ہندوستان یورُوپ اور امریکہ میں بڑی ناموری پیدا کی ہے۔

جاپانی بچّہ کا نام پیدا ہونے سے سات دِن بعد رکھا جاتا ہے خاندانی نام عام طور سے گاؤں دریا اور پہاڑوں وغیرہ کے ناموں پر ہوتے ہیں۔ جیسے پہاڑی گاؤں۔ مشرق دریا۔ باغ پہاڑ۔ عورتوں کے نام اکثر پھولوں یا اَور قدرتی خوشنما چیزوں سے لئے جاتے ہیں۔ جیسے غنچہ چنبیلی گل داؤدی۔ چاندی۔ بہار وغیرہ۔ جاپان میں جب بچّہ تیس دن کا ہو جاتا ہے تو اس کا سر مونڈا جاتا ہے۔ نہلا دھولا اور اچھے اچھے کپڑے پہنا کر ماں اس کو مندر میں لیجاتی ہے۔ اور کچھ نظر چڑھا کر خاندانی دیوتا کی شکر گذاری کرتی ہے۔ اس کے بعد بچّہ کو قریب کے رشتہ داروں میں پھرایا جاتا ہے۔ رشتہ دار بچّہ کے لئے طرح طرح کے تحفے دیتے ہیں۔ جب اس کی عمر چار مہینہ کی ہوتی ہے تو اس کے کپڑے بڑے آدمیوں کے جیسے

ہوتے ہیں۔ مگر اُن پر سارسوں اور کچھوؤں کی تصویریں ہوتی ہیں جو عمر درازی کی علامت ہیں۔ گیارھویں مہینہ ایک اَور رسم ہوتی ہے۔ اس روز سے سارا سر نہیں بلکہ کہیں کہیں سے مونڈا جاتا ہے۔ باقی بال بڑھتے رہتے ہیں۔

جاپانیوں کے گھٹنے اکثر اندر کی طرف موڑے ہوتے ہیں۔ غالباً اس کی وجہ وُہ طریقہ ہے جس سے بچّوں کو پھرایا جاتا ہے۔ جو شخص بچّہ کو لیتا ہے وہ اُس کو ایک کپڑے میں باندھ کر اُس کپڑے کو اپنے کندھوں پر ڈال لیتا ہے۔ بچّہ کی کمر اور رانوں کے اوپر کا حصّہ اس کپڑے میں آجاتا ہے۔ اس سے گھٹنے ایک دُوسرے سے مل جاتے ہیں اور پاؤں باہر کی طرف نکل جاتے ہیں۔

ماں بچّہ کو عموماً دو سال اور زیادہ سے زیادہ پانچ سال تک دُودھ دیتی ہے۔ یعنی اُس وقت تک جب تک کہ بچّہ خود اپنی خوشی سے دُودھ نہ چھوڑ دے۔ اگر ماں پاس ہو تو بچّہ اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اُس کے پاس دوڑ آتا ہے۔ اور کھڑا ہو کر یا گھٹنوں کے بل بیٹھ کر دو ایک گھونٹ لیکر بھاگ جاتا ہے۔ شاید اتنی عمر تک دُودھ پلانے کا اس ملک میں اس وجہ سے

جاپانی مائیں چھوٹے بچّوں کو کس طرح اُٹھاتی ہیں

رواج ہو۔ کہ یہاں بچوں کے لئے مناسب غذا کا کوئی انتظام نہیں۔ کیونکہ جاپان میں گائے کا دُودھ کام میں نہیں آتا۔ یہی وجہ ہے کہ جاپانی عورتیں وقت سے پہلے بُوڑھی ہو جاتی ہیں۔

سولہ برس کی عُمر کو پہنچکر لڑکا پُورا مرد ہو جاتا ہے وُہ اپنا نام اور وضع بدل دیتا ہے اور اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ بیاہا جاوے۔

ماں باپ کا ادب جاپانی بچوں کا پہلا فرض خیال کیا جاتا ہے۔ ادب کی تاکید مشہور لوگوں کے بہت سے مقولوں اور ضرب المثلوں سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور کم درجہ کے جانوروں کی مثال سے بھی بچوں کے دِل میں ڈالی جاتی ہے۔ مثلاً "دو مہینہ گھٹنوں پڑکر دودھ پیتا ہے اپنے ماں باپ کے حق کو ابھی پہچانتا ہے"۔ قدیم جاپانی قانون کے موافق اگر کوئی بچّہ اس میعاد کے اندر شادی کرلے جو والدین یا دادا دادی کے سوگ کے لئے مقرّر ہے۔ تو اُس کے لئے سَو دن کی اور جو بالکل سوگ نہ کرے تو سال بھر کی سزا مقرّر تھی۔

مُلک جاپان کو "بچوں کا بہشت" کہتے ہیں۔ ایک سیاح خاتون لکھتی ہے کہ "مَیں نے ایسی کوئی قوم کبھی نہیں دیکھی جو اپنی اولاد سے اتنی محبّت کرتی ہو۔ جاپانی اپنے بچوں کا ہاتھ پکڑے اِدھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں۔ اُن کی کھیلوں میں خود شامل ہوتے ہیں اور ہمیشہ اُن کے لئے نئے نئے کھلونے لیتے رہتے ہیں۔ بغیر بچوں کے اُنکو کسی چیز میں لُطف ہی نہیں آتا۔ دیکھنے میں جاپانی بچے بہت بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ بہت ہی فرمانبردار والدین کی مدد کے لئے ہر وقت حاضر اور اپنوں سے چھوٹوں پر بہت کچھ مہربان ہوتے ہیں۔ مگر بچوں کی بجائے ان کو

چھوٹے قد کی عورتیں مرد کہنا زیادہ مناسب ہے۔ اور ان کی شکلوں کو اُن کی پوشاک سے اور بھی مدد ملتی ہے۔ کیونکہ جاپانی بچوں کا لباس بڑے آدمیوں کا سا ہوتا ہے"۔

جاپانی لڑکے لڑکیاں کھیل رہے ہیں

لڑکیوں کا بڑا تیوہار کہ جس کو "گڑیوں کی دعوت" بھی کہتے ہیں۔ ہر سال تیسرے مہینہ کی تیسری تاریخ کو ہوتا ہے۔ اس روز سے پہلے شہر کی ساری دوکانیں بادشاہ اور اس کے درباریوں کے بُتوں سے سجائی جاتی ہیں کہ جن کی پوشاکیں بہت خوبصورت ہوتی ہیں۔ اور جاپانی عورتوں کے بناؤ سنگار کا تمام سامان بھی اس روز دوکانوں میں لٹکایا جاتا ہے۔

لڑکوں کے تیوہار کا دن جاپانی سال کے پانچویں مہینہ کی پانچویں تاریخ کو ہوتا ہے۔ اِس وقت دوکانیں سپاہیوں اور لڑائی کی تمام چیزوں

کی شکل کے کھلونوں مثل ہتھیاروں جھنڈوں وغیرہ سے پُر کی جاتی ہیں۔ جب کسی خاندان میں لڑکا پیدا ہوتا ہے تو سال بھر تک اُس پر کاغذ کی مچھلی ایک بانس میں باندھ کر اُڑاتے ہیں۔ جس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ جس طرح مچھلی پانی میں تیرتی ہے۔ اسی طرح یہ بچّہ شہرت اور دولت کے دریا میں تیریگا۔

جاپانی بچّے بھی ہر ملک کے بچّوں کی طرح بہت سے کھیل کھیلتے ہیں جیسے اندھا بھینسا۔ تاش۔ لٹو۔ ٹینس شطرنج وغیرہ۔ بہت تھوڑے ایسے کھیل ہیں جن سے جاپانی بچّے۔ چینی بچّوں کی طرح پتنگ اڑانے سے زیادہ خوش ہوتے ہوں۔ جاپانی پتنگ موٹے کاغذ کی ہوتی ہیں جو بانس کی کھپچیوں میں لیئی سے چپکے ہوتے ہیں۔ پتنگ طرح طرح کی شکلوں کی ہوتی ہیں جیسے اِنسان پرند جانور پنکھے وغیرہ۔ چوکھونٹی پتنگوں پر اگلے نامی لوگوں۔ خوبصورت عورتوں اور عجیب عجیب جانوروں کی تصویریں اور بڑے بڑے چینی حروف ہوتے ہیں۔ بعض پتنگ تو چھ فٹ تک لمبے اور اتنی ہی چوڑی ہوتی ہیں۔ کبھی لڑکے ایک دوسرے

جاپانی لڑکے اور لڑکیاں کھیل رہے ہیں

کا پتنگ نیچے گرانے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ اِس مطلب کے لئے چند فٹ لمبی ڈور کو جو پتنگ کے قریب ہو۔ اوّل سریش اور پھر کوٹے ہُوئے شیشہ میں ڈبوتے ہیں۔ جیسے کہ ہندوستان میں بھی ڈوروں کو ماجھا لگایا جاتا ہے۔ اس طرح ڈور پر کانٹے اُٹھ آتے ہیں کہ جن سے دُوسری ڈور بہت جلد کٹ جاتی ہے۔ اپنی پتنگ کو سیدھا رکھ کر لڑکا دُوسرے لڑکے کی پتنگ کی ڈور کو رگڑتا ہے اور پتنگ کٹ کر نیچے آگرتا ہے۔

جاپانی بچے پتنگ اُڑا رہے ہیں۔

جاپان میں دستور ہے کہ چھوٹے بچوّں کے گلوں میں چھوٹی چھوٹی تختیوں پر اُن کے والدین کا نام پتہ لکھ کر باندھ دیتے ہیں۔ تاکہ اگر وُہ کہیں گلی کوچہ میں کھو جائیں تو لوگ انہیں گھر پہنچا دیں۔

پچھلی چین اور جاپان کی لڑائی کے زمانہ میں جاپانی بچے اِس قسم کے کھلونوں کو زیادہ پسند کرنے لگے تھے کہ جو زخمی یا قیدی چینی سپاہیوں یا دشمن پر حملہ کرنے والے جاپانی بہادروں کی نقل بنائے جاتے تھے۔

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بچپن سے ہی ان لوگوں میں اپنے وطن کی محبّت اور قوم کی خیر خواہی کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔

ورزشیں اور کھیلیں

حفظِ صحت کے اصول

ایک تندرستی ہزار نعمت ہے۔ کیسا سچا مقولہ ہے۔ اور اس کی سچائی اس وقت اور بھی اچھی طرح ذہن نشین ہوتی ہے۔ جبکہ کوئی شخص بیمار ہو جائے۔ کیونکہ بیماری کی حالت میں نہ صرف اُسے درد اور تکلیف ہی اُٹھانی پڑتی ہے بلکہ وُہ کسی قسم کا کام کاج بھی نہیں کر سکتا اگر طالب علم ہے تو اپنا سبق نہیں پڑھ سکتا اور جماعت سے پیچھے رہ جاتا ہے۔ اگر نوکر یا دوکاندار یا مزدور ہے تو اپنا کام نہیں کر سکتا۔ اور اس طرح اُس کی کمائی اور آمدنی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے مگر دوسری طرف سوائے روزمرّہ کے گھر بار کے اخراجات کے اُسے دوا دارو کے لئے بھی روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ بیماری میں زندگی کا کوئی لطف باقی نہیں رہتا۔ "قدرِ ہر نعمت است بعدِ زوال" ایک مشہور قول ہے۔ بیشک جب کوئی چیز کھو جاتی ہے تو ہمیں اُس کی زیادہ قدر معلوم ہوتی ہے۔ جب کوئی دوست یا عزیز مر جاتا ہے تو خیال ہوتا ہے کہ ہم نے اس کی اتنی قدر نہیں کی کہ جتنی کرنی چاہیئے تھی۔ اس لئے چاہیئے کہ جو جو خدا کی عنائتیں اور نعمتیں اور برکتیں ہمیں حاصل

ہیں۔ اُن کی پورے طور پر قدر کریں۔ تندرستی خدا کی دی ہوئی ایک بہت
بڑی نعمت ہے۔ اِس لئے اس کی قدر اور حفاظت کرنا ہمارا فرض ہے۔
جس طرح بیمار کا علاج کرنا ضروری ہے ویسا ہی تندرست کو اپنی تندرستی
کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ اِنسان کی تندرستی ایک بڑی نازک چیز ہے
مگر قدرتِ الٰہی نے انسان کی صحت کے کچھ ایسے پختہ قاعدے مقرر کئے
ہیں کہ جب تک اُن کی پابندی کیجائے صحت خراب نہیں ہوتی۔ لیکن
جب قدرت کا قانون توڑا جاتا ہے تو اُس کی سخت سزا ملتی ہے۔ اِس
لئے ہمارا فرض ہے کہ اس قانونِ قدرت کے قاعدے جو سیکڑوں
سالوں کے تجربہ سے حفظِ صحت کے لئے ہمارے بزرگوں نے معلوم
کئے ہیں۔ اور ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں۔ ذہن نشین کر کے ان کا لحاظ
رکھیں۔ تاکہ بیمار ہونے کی نوبت ہی نہ پہنچے۔ بعض لوگوں کا خیال ہوتا
ہے کہ ناواقفی کی حالت میں اگر قدرت کا کوئی قانون توڑ دیا جائے تو اس
کی سزا نہیں ملیگی۔ مگر یہ بات بالکل غلط ہے۔ قانون خواہ قدرت کا ہو یا
ہمارے حاکموں کا۔ جو اُسے توڑے گا اُسے سزا ضرور ملیگی۔ اور قانون
کی ناواقفیت کا کوئی عذر سُنا نہیں جائیگا۔ نادان بچہ جو نہیں جانتا کہ
آگ جلا دیتی ہے۔ وُہ بھی جب آگ میں ہاتھ ڈالتا ہے تو آگ اس کی
نادانی پر ذرا رحم نہیں کرتی۔ اور اس کی نازک نازک اُنگلیوں کو جھٹ
جُھلس دیتی ہے۔ پس ہر شخص کے لئے لازم ہے کہ وُہ قانونِ قدرت کے
اُن قاعدوں کو جانے کہ جو اس کی حفظِ صحت کے متعلق ہیں۔ تاکہ وُہ
اِن کا لحاظ رکھ سکے۔ اور اس کی صحت نہ بگڑے۔

بچے ہوں یا بوڑھے سب کو اپنی صحت قائم رکھنے کے لئے تازہ اور

صاف ہوا میں دم لینا ضروری ہے - آج کل بعض تجربہ کار ڈاکٹر صاحبان
اِس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ صرف اچھّی طرح تازہ ہوا میں کچھ دیر تک دم لینا ورزش
سے بے فکر کر دیتا ہے - وُہ کہتے ہیں کہ صاف ہوا میں ایک گہرا دم اندر
کو کھینچو تاکہ تمہارا پھیپھڑا ہوا سے بھر جائے - اور دس ثانیہ تک ہوا کو
اندر رکھ کر آہستہ آہستہ ناک کے راستہ سے نکال دو - واضح رہے کہ
ہوا کو دم لینے کے لئے صرف ناک کے راہ سے داخل اور خارج کرو مُنہہ
سے دم لینا بُری بات ہے - اِس طرح آٹھ دس دفعہ تازہ ہوا اندر داخل
کرنے سے صحت میں نمایاں ترقی نمودار ہوگی -

مَیں بڑا ہو کر کیا کرونگا

دستکاری اور ہُنر سیکھنا ضروری ہے

ایران کے نہایت مشہور شاعر حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی
نے گلستاں میں ایک جگہ لکھا ہے کہ کون کون لوگ گھر سے نکل کر سفر میں
چلے جائیں تو بھُوکے نہیں مرتے - ان میں ایک پیشہ ور جماعت کو بھی
گِنا ہے اور اِن کی نسبت فرمایا ہے - ؎

گر بغریبی رود از مُلکِ خویش سختی و محنت نکشد پارہ دوز
ور بخرابی فتد از مُلکِ خویش گرسنہ خفتد مَلکِ نیم روز

کیونکہ جو لوگ کوئی ہُنر یا پیشہ جانتے ہیں - وُہ جہاں جاتے ہیں اپنے
ہاتھوں کی مزدوری سے روٹی کما سکتے ہیں - بجائیکہ جو لوگ کوئی ہُنر یا

دستکاری نہیں جانتے وُہ مصیبت کے وقت بھوکے مرنے لگتے ہیں۔خواہ وُہ بادشاہ یا امیر کے بیٹے ہی کیوں نہ ہوں۔ اِس لئے ہر انسان کو چاہئے کہ کچھ نہ کچھ دستکاری سیکھ لے تو اچھّی ہے۔

یوروپ کے ملکوں میں دستور ہے کہ بچّوں کے اکثر مدرسوں میں دستکاریاں سکھلائی جاتی ہیں۔ بڑھئی اور لوہار کا کام تو عموماً سکھلایا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب یوروپ سے نوآبادیاں بسانے والے لوگ امریکہ آسٹریلیا یا افریقہ کے کِسی ملک میں جاکر آباد ہوتے ہیں۔ اور جنگلوں میں آبادیاں بساتے ہیں۔تو وُہ بڑھئی وغیرہ کا کام اپنے ہاتھ سے کر لیتے ہیں۔ کیُونکہ اگر وُہ اپنے ہاتھ سے کام کرنا نہ جانتے تو کبھی اتنی عظیم الشان آبادیاں نہ بسا سکتے جیسی کہ اب امریکہ اور آسٹریلیا میں نظر آتی ہیں۔

ہندوستان میں بعض لوگوں کے نزدیک دستکاری سیکھنا شرفا کے رُتبہ سے گِرا ہوُا کام ہے۔عام لوگوں کا خیال یہ ہے کہ دستکار اور پیشہ ور لوگ ایسے شریف نہیں ہوتے جیسے کہ خاندانی امیر ہیں۔حالانکہ خاندانی امیروں کے باپ دادوں نے بھی محنت اور کوشش سے ہی یہ رُتبے حاصل کئے تھے۔یوروپ کے ملکوں میں کوئی دستکاری یا پیشہ سیکھنا عیب میں داخل نہیں۔عام لوگوں کو تو جانے دیجئے۔یوروپ کے بادشاہوں تک مختلف پیشے سیکھتے ہیں۔ بلکہ قریب قریب عام رواج ہے کہ یوروپ کے ہر ایک شاہزادے کو کوئی نہ کوئی دستکاری جاننی ضروری ہے۔سب سے پہلے حضرت قیصر ہند و بادشاہ انگلستان ایڈورڈ ہفتم کو ہی لیجئے کہ جن کی وفادار رعایا ہونے کی ہمیں عزّت حاصل ہے۔

زمانہ شہزادگی میں انہوں نے جرابیں بُننا سیکھا تھا۔ اُن کے دونوں شہزادوں نے کہ جن میں سے ایک اس وقت ولیعہد سلطنت اور پرنس آف ویلز ہیں اور دُوسرے اِنتقال کر چکے ہیں۔ باقاعدہ طور پر دُوسرے ملاحوں کی طرح جہازرانی اور ملاح کا کام سیکھا تھا۔ اور کئی سال تک جہازوں میں زندگی بسر کر کے ملاحوں کی زندگی کا تجربہ حاصل کیا تھا۔ یہ دونوں شہزادے ایسے ہی اچھے جہازی رسّے بٹا کرتے تھے جیسے کہ کوئی اَور ملاح بٹ سکتا تھا۔ زار رُوس بہت اچھا ہل چلا سکتے ہیں اور ہوائی کٹائی میں بہت اچھے دہقانوں کے کان کاٹتے ہیں قیصر جرمنی کمپازیٹری یعنے چھاپہ خانہ کے حرف جوڑنے میں کمال رکھتے ہیں۔ اٹلی کے سابق بادشاہ ہمبرٹ خوب جُوتے سی سکتے تھے۔ سویڈن کے بادشاہ اسکار جو یوروپ و ایشیا کی نو دس زبانیں بول سکتے ہیں اور بڑے عالم ہیں۔ لکڑہارے کے کام میں مشّاق ہیں۔ حضور قیصرہ متوفیہ وکٹوریا اپنے ہاتھ سے جالیاں کاڑھتی اور رضایاں سیتی تھیں۔ اِسی طرح یورپ کے اور بہت سے شہزادے کئی ہُنر جانتے ہیں۔ اگر اُن میں سے آج خُدانخواستہ کوئی محتاج ہو جائے تو اپنی دستکاری سے اپنی روٹی کما سکے گا۔

مُسلمانوں کے بزرگوں میں بھی دستکاریاں اور تجارت عزّت کی چیزیں سمجھی جاتی تھیں۔ اور وُہ ادنےٰ سے ادنےٰ محنت کے پیشہ کو کہ جس سے دیانت سے روٹی کمائی جا سکے۔ بےعزّتی کی بات نہیں سمجھتے تھے۔ مثلاً ابوطالب حضرت محمدؐ صاحب کے چچا اور خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر عطر بیچتے تھے اور کبھی غلّہ بھی بیچتے تھے۔ حضرت عُمر اینٹیں اپنے ہاتھ سے

بناتے تھے۔ سعد بن ابی وقاص و زبیر بن عوام تیر بنا کر بیچتے تھے۔ عاص بن ہشام ابوجہل کے بھائی اور ولید بن مغیرہ لوہار کی دوکان کرتے تھے۔ عثمان بن طلحہ جس کو حضرت محمد صاحب نے خانہ کعبہ کی کنجی سپرد کی تھی۔ درزی کا کام کرتے تھے۔ عتبہ بن ابی وقاص بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ امام ابو حنیفہ ریشمی کپڑے بنوانے اور بیچنے کا کارخانہ رکھتے تھے۔ غرض شریف لوگ کسی دیانت داری کے پیشہ اور دستکاری سے عار نہیں کرتے تھے۔ یہی خیال ہندوستان کے نوجوانوں میں پیدا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ خداوند تعالےٰ دستکار اور محنتی کو عزیز رکھتا ہے +

شکاری و ہرن

پیرزادہ مولوی محمد حسین صاحب ایم۔ اے ڈسٹرکٹ جج لاہور جو علوم مشرقی اور مغربی کے مشہور عالم اور اعلےٰ پایہ کے مصنف و مولف ہیں۔ آپنے حال میں حکایات حکیم لقمان کو بچوں کے مطالعہ کے لیئے نہایت سلیس اُردو میں نظم کیا ہے۔ اور زبان کی خوبی کے ساتھ مطالب کی خوبی کو خوب نباہا ہے۔ آپ نے اس دلچسپ کتاب کی بعض حکایات بچوں کے اخبار میں درج کرنے کیلئے عنایت کی ہیں

شکاری نے کندھے پہ رکھی کماں | ہوا اِک سحر سُوئے صحرا رواں
سُہانا تھا جنگل ہرا مرغزار | درختوں پہ خوب آ رہی تھی بہار
نظر پڑ گیا اُس کے ہرن جو ایک | رکھا تیر زہ میں دیئے گھٹنے ٹیک
یہ چاہے تھا چھوڑے وُہ تیرِ قضا | کہ اک سانپ نے پانوٗ پہ ڈس لیا
پڑا منھ کے بل مرد جب خاک پر | کہا اُس نے خود دل میں انصاف کر
کہ بیٹھا تھا تو گھات میں اور کی | قضا کے شکاری نے جاں تیری لی

نتیجہ

کنواں کھودیگا جو کسی کے لیئے | گریگا خود اِس میں یقیں جان لے

ننّھے بچّوں کا صفحہ

بچّوں کے مطلب کی ضرب المثلیں

ذیل میں دنیا کی بہت سی زبانوں سے ایسی ضرب المثلیں چُن کر درج کی جاتی ہیں جو خصوصیّت سے بچّوں کو مفید اور دلچسپ معلوم ہونگی۔

ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات۔ (ہندوستانی)

اُستاد کی گالیاں گھی کی نالیاں ہوتی ہیں۔ (پنجابی)

ایک ناشکر گذار لڑکا خدا کا انتقام ہے۔ (فرانسیسی)

ماں کے مُکّے سے کوئی ہڈّیاں نہیں ٹوٹتیں۔ (رُوسی)

ہمارے ہمسائے کے بچّے ہمیشہ بہت بُرے ہوتے ہیں۔ (جرمن)

لڑکیوں کی پرورش کرنا تو آسان ہے مگر بیاہ دینا مشکل ہے۔ (جرمن)

عقاب فاختہ کے بچّے نہیں دیتے۔ (جرمن)

جس کے بچّے ہی نہ ہوں۔ اس کو کیا معلوم ہے کہ محبّت کیا چیز ہے۔ (اطالی)

چھوٹا پرند چھوٹا آشیانہ۔ (ہسپانی)

بچّے ایسے ہی تیار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ان کو تیار کیا جاتا ہے۔ (فرانسیسی)

مُرغی کی آنکھیں اُس کے چوزوں کے ساتھ ہیں۔ (فرانسیسی)

صرف رونے والے بچّہ کو دُودھ ملتا ہے۔ (ترکی)

دِل ایک بچّہ ہے۔ جو دیکھتا ہے وُہی مانگتا ہے۔ (ترکی)

بچّوں کا مارنا (اُستاد کا) باغ میں پانی دینے کی مثال ہے۔ (عربی)

بچّوں کی مجلس

میں نے ماہ گذشتہ میں بچّوں کی مجلس کے مضامین کے متعلق لکھا تھا کہ اس عنوان کے نیچے صرف وُہی مضمون درج ہوا کرینگے جو کفایت شعاری سیر چشمی حبّ الوطنی ۔ الوالعزمی ۔ خیرات ۔ رحمدلی اور فیاضی وغیرہ جیسی نیک عادات کے متعلّق پندرہ سال سے کم عمر کے بچّے لکھا کرینگے ۔ اِس مہینہ میں مجھے بہت کم مضامین اس قسم کے پہنچے ہیں ۔ مگر مَیں امید کرتا ہُوں کہ آیندہ مہینہ میں مجھے بہت سے بچّوں کے مضمون اس صفحہ پر درج کرنے کا موقعہ ملیگا ۔ بالفعل میں صرف ایک بچّے کا مضمون درج کرتا ہوں جس کی عمر آٹھ سال کی ہے ۔

بچّوں کو پہلی مرتبہ ہی روک دینا چاہئے

(مضمون از انعام اللہ طالب علم جماعت پنجم سکول بٹھنڈہ ۔ عمر آٹھ سال چار مہینے)

ایک لڑکے نے ایک دفعہ ایک تتیا (یعنے بھڑ) اپنی جوتی سے مار ڈالا ۔ چونکہ اُس نے کسی کے سامنے نہ مارا تھا اِس لئے اُسے کسی نے نہ روکا ۔ دوسری دفعہ پھر اُس نے مارا اور اب جرأت زیادہ ہو گئی ۔ یہانتک کہ وُہ جب تتیا بیٹھا دیکھتا اسکو مار ڈالتا ۔ ایک دفعہ جب اُس نے ایک دیوار پر ایک سوراخ میں کئی تتیے بیٹھے ہُوئے دیکھے ۔ تو انکو مارنا چاہا ۔ وہاں اُنکا گھر تھا ۔ وُہ سب نکلکر چپٹ گئے ۔ اور لڑکے کے جسم پر کئی جگہ ڈنگ مارے ۔ جس سے اُسے سخت تکلیف ہُوئی اور کئی دن کے بعد اچھا ہُوا ۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ بچّہ کو جو پہلے ہی منع نہ کیا گیا تو اسکو اتنی جرأت ہُوئی کہ تتیوں کے گھر تک پہنچا ۔ اور جب سزا ملچکی تو پھر وُہ کام نہ کیا اور تتیے بوجہ اپنے اتّفاق کے غالب ہُوئے

جُزدان

بادشاہ عالم پناہ

پیارے ناظرین - آپ کو معلوم ہوگا کہ ہمارے لئے یہ مہینہ بڑی خوشی کا ہے - کیونکہ اسی ماہ کے اخیر میں یعنے ۲۶ - جون ۱۹۰۲ء کو ہمارے شہنشاہ اعظم جناب ایڈورڈ ہفتم بادشاہ انگلستان و قیصر ہند اور اُن کی ملکہ معظمہ کی تاج پوشی کا جشن منعقد ہوگا۔† اور یہ جشن نہایت دُھوم دھام اور شان و شوکت سے منایا جائیگا -
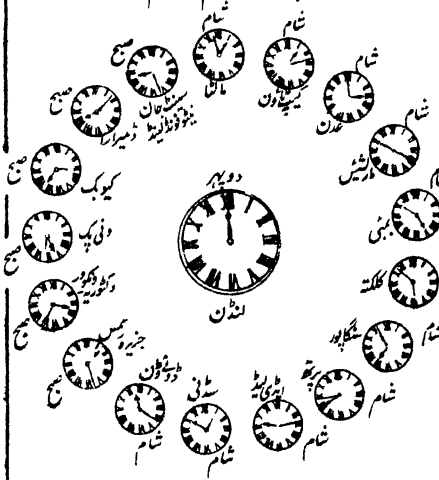
آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ سلطنت انگلستان اتنی وسیع سلطنت ہے اور دُنیا کے ہر برِّ اعظم پر پھیلی ہوئی ہے - کہ اس پر کبھی آفتاب غروب نہیں ہوتا - آفتاب غروب نہ ہونے سے یہ مطلب ہے

(رُوئے زمین کی گھڑیاں)

کہ چونکہ کُرہ زمین گول ہے اور چوبیس گھنٹوں میں زمین کا ہر حصہ سُورج کے

† نہایت افسوس کی بات ہے کہ ۲۴ - جون کو بادشاہ سلامت دفعتاً بیمار ہوگئے - اور جشن کی تاریخ ملتوی کرنی پڑی ۔

مقابل گذرتا ہے ۔ اس لئے
ہر وقت سلطنتِ انگریزی کا
کوئی نہ کوئی ملک سُورج کے سامنے
رہتا ہے جیسا کہ ان گھڑیوں کے
دائرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو
انگریزی مقبوضات کے بڑے
بڑے شہروں کا وقت ایک
ہی وقت میں دکھلاتی ہیں۔
یعنے جبکہ لنڈن میں دوپہر کے
بارہ بجتے ہیں تو دنیا کے ان
بڑے بڑے شہروں میں کیا
وقت ہوتا ہے کہ جن کے نام
اِن گھڑیوں کے نیچے لکھے
ہُوئے ہیں ۔

شاہ اعظم ایڈرورڈ ہفتم کی
عمر اِس وقت اکسٹھ سال
سے اُوپر ہے ۔ کیونکہ آپ
۹ ۔ نومبر ۱۸۴۱ء کو پیدا ہوئے
تھے ۔ ہر چند کہ آپ ولیعہدِ
سلطنت تھے اور بادشاہ
ہونے کے اُمیدوار تھے ۔

قیصر ہند و بادشاہ انگلینڈ

ملکہ معظمہ انگلستان

لیکن بچپن میں آپ نے سبق سیکھنے
میں اتنی ہی محنت کی اور اُستادوں
اور اُستانیوں کی اُسی طرح جھڑکیاں
سہیں اور اُن کا کہا مانا جیسا کہ
غریب لوگوں کے بچّے کرتے ہیں۔
اُن کی ملکہ معظمہ شاہ ڈنمارک کی دُختر
نیک اختر ہیں۔ شاہ عالیجاہ کے چھ بچّے
ہُوئے ہیں۔ جن میں سے دو مر چکے ہیں۔
ولیعہدِ سلطنت شاہزادہ عالم پناہ کا
نام ڈیوک آف یارک ہے۔ جن کی
شہزادی مے دختر ڈیوک آف ٹک
سے ہُوئی۔ اِن کے بڑے بیٹے
کا نام پرنس ایڈورڈ ہے جو انشاءاللہ
سلامت رہے تو کسی وقت انگلستان
کے بادشاہ ہونگے۔ اِن کی تصویر
بھی معہ ان کے عالیقدر ماں اور
باپ اور عظیم الشان دادا اور دادی
کی تصاویر کے یہاں درج کی جاتی
ہے۔ ہماری دُعا ہے۔ کہ خدا
بادشاہ کو سلامت رکھے۔" آمین

ولیعہد تخت برطانیہ

ولیعہد بیگم شہزادی مے

شہنشاہ ہند کا بڑا پوتا

ایک خوش نصیب بچہ

بعض بچے دُنیا میں کیسے خوش نصیب پیدا ہوتے ہیں۔ انہیں میں سے الفانسو سیزدہم شاہ ہسپانیہ بھی ہے۔ کہ جس کی عمر کے سولہ سال ۱۷ مئی سنہ ۱۹۰۲ء کو پورے ہوئے ہیں۔ ہسپانیہ کے پایۂ تخت لزبن اور تمام دوسرے
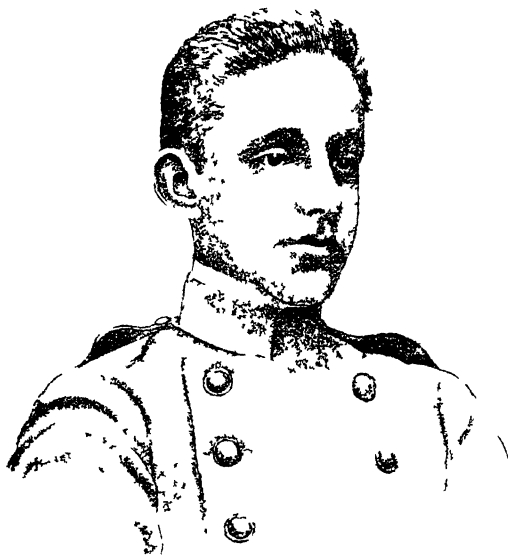
شاہ الفانسو سیزدہم

ہسپانی شہروں میں اس روز بڑی خوشیاں منائی گئی تھیں۔ کیونکہ ہسپانیہ کے قانون کے مطابق اُس روز وہاں کا بادشاہ بالغ ہو کر تخت نشین ہُوا تھا۔ شاہ الفانسو صرف اِسی وجہ سے خوش نصیب نہیں کہ وُہ بادشاہ ہے۔ بلکہ

اس وجہ سے بھی کہ وُہ کبھی شہزادہ یا ولیعہد نہیں رہا۔ کیونکہ جس روز وُہ پیدا ہوُا تھا اُسی روز اُسے بادشاہ تسلیم کرلیا گیا تھا۔ یہ ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوُا تھا۔ لیکن اس کے پیدا ہونے سے چند ماہ پہلے اس کا باپ الفانسو دوازدہم مرچکا تھا۔ اس طرح یہ اپنے باپ کے مرنے کے بعد پیدا ہوُا۔ اور کوئی اَور لڑکا اگر ایسی حالت میں پیدا ہوتا تو وُہ بڑا بدنصیب سمجھا جاتا۔ شاہ الفانسو کے سر سے گو پیدا ہونے سے بھی پہلے باپ کا سایہ اُٹھ چکا تھا۔ مگر اُس کی ماں نے اُسے بڑی توجّہ اور محنت سے اپنی آغوشِ محبّت میں پالا۔ اور اپنے بیٹے کو بہت اچھّی تعلیم اور تربیت دلائی۔ نوجوان الفانسو کو اُستاد اُسی طرح سبق پڑھاتے تھے جس طرح اور سب بچّوں کو پڑھاتے ہیں۔ اور اُسی طرح اُس کو شوخی سے روک کر سبق یاد کرنے پر مجبور کرتے تھے۔ جیسے کہ ہر ایک بچّہ کو اُس کے اُستاد یا والدین کرتے ہیں۔ چنانچہ اب یہ خوش قسمت بچّہ اپنی تعلیم کا مشکل کام طے کرچکا ہے۔ اور علاوہ مادری زبان کے فرانسیسی انگریزی اور جرمنی زبانیں سیکھ چکا ہے۔ امّید ہے کہ یہ بچّہ بطور ایک لائق آدمی کے اپنی زندگی کے فرض ادا کریگا +
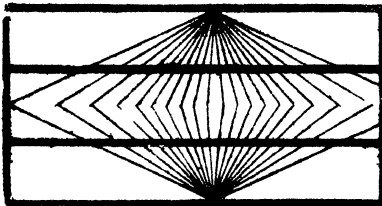
سیدھے یا جُھکے ہُوئے خط

اِس نقشہ میں باریک لکیروں کے اُوپر جو دو موٹے خط ایک دُوسرے کے برابر برابر گذرتے ہیں۔ یہ ظاہراً سیدھے نظر نہیں آتے۔ بلکہ یہ صاف اندر کو جُھکے ہُوئے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن دراصل یہ نظر کا ایک دھوکا ہے جو ان کے مُڑی ہُوئی لکیروں کے اُوپر سے گذرنے کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہے۔ ورنہ یہ دونوں خط متوازی ہیں۔ اور ہر جگہ سے ان کا ہر حصّہ ایک دُوسرے سے یکساں فاصلہ پر ہے +

معمّے

ماہ گذشتہ کے دونوں معمّوں کے چند جواب میرے پاس پہنچے ہیں۔ مگر وہ اتنے کم ہیں کہ میں چاہتا ہُوں اس مہینہ میں اُن کے کچھ اور جوابوں کا انتظار کرلیا جائے۔ اگلے مہینہ کے رسالہ میں اُن کے اِنعام حاصل کرنے والوں کے نام درج کیے جائینگے۔ اِس ماہ کے دو معمّے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔ اور اُمید ہے کہ بہت سے ناظرین اِن کے حل صاف سُتھرے لکھکر ایڈیٹر کے پاس بھیجینگے صحیح حل کرنے والے پہلے تین شخصوں کو دو روپے ایک روپیہ اور آٹھ آنے نقد یا اس قیمت کی بچوں کے پڑھنے کی کتابیں دیجاوینگی حل کرنے والے بچوں کو اپنی عمر بھی ساتھ لکھدینی چاہیے۔

معمّا ۳۔ یہ دو نو گدھے کہ جن کے سر جھکے ہُوتے ہیں۔ اور خاموش کھڑے ہیں۔ دو ایسی لکیریں ان پر کھینچ دیجیئے کہ دونوں دوڑتے ہُوئے نظر آئیں۔

معمّا ۴۔ میرے پاس یہ مربع ٹکڑہ زمین کا ہے۔ جس کے ایک کونے میں میں نے مکان تعمیر کرکے چار کرایہ داروں کو کرایہ پر دیدیا ہے۔ اس زمین پر چار آم کے درخت بھی ہیں۔ میں نے کرایہ داروں کو کہدیا ہے کہ اگر وہ چاروں اس زمین کو برابر برابر بانٹ لیں اس طور پر کہ ہر شخص کے قطعہ میں ایک ایک درخت بھی آجائے تو مجھے عذر نہیں۔ تو بتلاؤ وہ کس طرح بانٹ سکتے ہیں

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

مہاراجہ سیاجی راؤ سوم گائکواڑ بڑودہ

بچوں کے اخبار ماہ نومبر سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ امیر عبدالرحمن خان
مرحوم والیٔ افغانستان نے اپنی سوانح عمری اپنے ہاتھ سے لکھی ہے۔ اور اس طرح
اپنی زندگی کے ہر قسم کے حالات کو دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ تاکہ لوگ ان
حالات سے واقف ہو کر محنت اور ہمت کو اپنا شعار بنائیں اور ہر کام کو استقلال
سے انجام دینے کی کوشش کریں۔ تم نے دیکھ لیا ہے۔ کہ اُنہوں نے بچپن میں کسقدر
تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کی تھیں۔ [illegible] طرح آہستہ آہستہ
ترقی کر کے تختِ کابل حاصل کیا تھا۔ [illegible] عظیم الشان کامیابی کی وجہ
یہ تھی کہ وُہ ہر ایک معاملہ کو بڑے غور و فکر اور محنت سے سوچا کرتے تھے۔ اور
جن کاموں کو امیر لوگ اپنے ہاتھوں سے کرنا پسند نہیں کرتے۔ وُہ اُنہیں بڑی
خوشی کے ساتھ اپنے مبارک ہاتھوں سے انجام دیتے تھے۔ مثلاً وہ لوہار کا کام
سیکھنے لگے۔ تو بندوق سازی کو اُس درجۂ کمال پر پہنچایا۔ کہ سب لوگ اُن کی
محنت کی تیزی اور شوق کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ پھر سلطنت کے کاروبار کو اُنہوں
نے ایسی تندہی اور دانائی اور جرأت سے انجام دیا۔ کہ وُہ تمام دُنیا میں قابلِ نظیر
حکمران مانے جانے لگے۔ اُسی طرح مہاراجہ گائکواڑ بڑودہ کے حالات بھی بچّوں کے
اخبار میں درج ہونے کے قابل ہیں۔ کیونکہ اُنہوں نے بھی اپنے اور اپنی سلطنت
کے ہر قسم کے حالات انگریزی اخباروں میں چھپوائے ہیں۔ اور یہ لیجیے ہم ہونے

محنتی اور مستقل مزاج فرمانروا ہیں۔ اور وُہ ہر وقت اسی سوچ میں رہتے ہیں۔ کہ کسی ط
اُنکی رعایا علم و ہنر میں شہرۂ آفاق ہو جائے اور ہندوستان کی عام قومیں علوم و
فنون کے عملی فوائد حاصل کرنے لگیں۔

مہاراجہ صاحب بڑودہ شاہی لباس میں

... بڑودہ ۱۷ - مارچ ۱۸۶۳ء کو تولّد ہوئے اور ۲۷ - مئی ۱۸۷۵ء کو مسندنشیں
... مشہور مرہٹہ سردار دماجی گائکواڑ کی نسل سے ہیں - یہ مرہٹہ سردار ستر ھویں
... اخیر میں انگریزی سلطنت کی طرف سے جنگ کرتے رہے ہیں -
راجہ صاحب مہارانی جمنا بائی کے متبنّیٰ ہیں - انکی متنبیّت کو سرکار انگریزی نے
۱۸۷۵ء کو سرکاری طور پر تسلیم کیا ہے - اور گورنر جنرل بہادر کے ایجنٹ نے
خاص سے نوجوان مہاراجہ صاحب کو خلعتِ شاہی پہنایا ہے -
جہ سیاجی راؤ بڑے لائق اور روشنضمیر فرماں روا ہیں - اُن کی قابل قدر
سے ان کے عہدِ سلطنت میں ریاست نے بہت بڑی سرسبزی حاصل کی
سبزی اس خیال سے بھی قابل قدر ہے کہ مہاراجہ صاحب - رعایا
کے مقابلہ میں اپنی مُصیبتوں اور تکلیفوں کا مطلق خیال نہیں کرتے -
ییت کے گڈریئے ہوتے ہیں اور جس طرح گڈریہ - آندھی - پانی اور
ں تکلیفات میں اپنے ریوڑ کی پُورے طور سے حفاظت کرتا ہے - اور
نوں کی مطلق پرواہ نہیں کرتا - اسی طرح نیک دل اور اپنے فرائض کو سمجھنے
جدار بھی اپنی ذاتی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے - یہی وجہ ہے کہ باوجود
کے ذاتی صدمے اُٹھانے کے بھی مہاراجہ صاحب نے اپنے فرائض
ہوتاہی نہیں کی -
اپریل ۱۸۸۵ء کا ذکر ہے کہ اُن کی پہلی بیوی کا انتقال ہوگیا - اور اس سے
صاحب کو نہایت رنج ہُوا - رنج کی وجہ زیادہ تر یہ تھی - کہ مہارانی صاحبہ
مرحومہ کے بطن سے جو تین لڑکے لڑکیاں پیدا ہُوئی تھیں - وہ بھی اس سے
پیشتر فوت ہوچکی تھیں -
... برس ۱۸۸۵ء میں مہاراجہ صاحب نے دُوسری شادی کی - دُوسری بیوی سے

صاحبہ کا نام جمنا بائی ہے - جو ایسے نامور شوہر کی زوجیت کے سزاوار ہیں - اور اکثر راجاؤں - مہاراجاؤں اور بادشاہوں کا یہ دستور ہے - کہ وُہ کئی کئی بیویاں کرتے ہیں - اور کبھی ایک پر اکتفا نہیں کرتے - مگر نیک نفس مہاراجہ صاحب بڑودہ کی صرف ایک ہی بیوی ہے - اور وہ اِسی پر صابر و قانع ہیں -

پچھلے دنوں جب آپ لاہور میں تشریف لائے تھے - تو مجھے بھی اُن سے حصُول ملازمت کا موقع ملا تھا - اِس سے پہلے مَیں نے اُن سے دربار دہلی کے موقع پر بھی مُلاقات کی تھی - آپکا حافظہ ایسا قوی ہے - کہ مجھے دیکھتے ہی فرمانے لگے - کہ مَیں نے آپ کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے - مہاراجہ صاحب اسوقت بالکل سادہ لباس میں تھے - اور بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ تیس چالیس روپیہ ماہوار

مہاراجہ صاحب بڑودہ سادہ لباس میں

کی حیثیت سے زیادہ کے آدمی نہیں ہیں - ایک اتنی بڑی ریاست کا مالک او
صاحبِ اقتدار ہوکر ایسے معمولی کپڑے پہننا اس کی طبیعت کی سادگی پر دلالت
کرتا ہے - آپ ہر ایک ملنے والے کے ساتھ بخندہ پیشانی اور خلق سے پیش آتے تھے
یہاں انہوں نے دیانند اینگلو ویدک کالج کا معائنہ کیا تھا - اور میری درخواست پر اسلامیہ
کالج لاہور کا بھی معائنہ فرمایا - کئی طلبا نے اردو فارسی نظمیں پڑھ کر سنائیں -
اور ایک لڑکے نے مہاراجہ صاحب کے ارشاد پر چند عربی آیات پڑھیں - اور
انکا ترجمہ کرکے سنایا - جس سے آپ بہت خوش ہوئے - اور اپنی ریاست میں
پہنچکر آپ نے پانچ سو روپیہ کی رقم اسلامیہ کالج لاہور کو بطور عطیہ کے بھیجی -
اور اس کے ساتھ ایک چٹھی ارسال کی - جس میں لکھا تھا - کہ میں بڑی خوشی سے
آپکو یہ روپیہ ارسال کرتا ہوں - اُمید ہے - کہ آپ اس سے بھی زیادہ لڑکوں کی
تعلیم میں کوشش کرینگے ؎

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ صاحب بالکل متعصّب نہیں ہیں - بلکہ
اُنہیں ہندو اور مسلمان دونوں قوموں کے بچّوں کی تعلیم میں خاص دلچسپی ہے
وُہ اچھّی طرح سمجھتے ہیں - کہ غریبوں کی مدد امیروں پر واجب ہے - اور انکی سچّی مدد
یہی ہے کہ اُنہیں تعلیم و تربیت سکھا کر انہیں نیک رستہ پر لایا جائے - انکی
یہ ایک بڑی خواہش ہے - کہ ہندو اور مسلمان دونوں میں اتفاق پیدا ہو جائے -
اور نفاق بالکل نہ رہے - کیونکہ اتفاق ہی کی بدولت ہم دُنیا میں ترقّی کر سکتے ہیں -

مئی ۱۸۸۷ء میں مہاراجہ اور رانی صاحبہ نے یورُوپ کا سفر کیا - آپ اٹلی -
سوئٹزرلینڈ اور فرانس کی سیر کرتے ہوئے نومبر ۱۸۸۷ء میں خاص انگلستان
پہنچے - جہاں ملکہ معظّمہ مرحُومہ نے بڑے تپاک استقبال کیا - اس کے بعد بھی
انہوں نے دو دفعہ یوروپ کی سیر کی - اور اس سے بہت فائدہ اُٹھایا - اُنہوں نے

وہاں کے طریق تعلیم کو غور سے دیکھا۔ اور واپس آکر اُنہوں نے اُن سے اپنی ریاست میں بہت کچھ استفادہ کیا۔ اور اپنی ریاست کے کاموں کو پہلے سے زیادہ خوش اسلوبی سے انجام دینے لگے۔ چنانچہ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں "کاروبار سے مجھے خاص الفت ہو گئی ہے۔ اور رعایا کا کام میرے لئے ایک خوشی ہے"۔

ہز ہائی نس عموماً ۳ یا ۴ بجے تک کاروبار میں مصروف رہتے ہیں۔ اور جو ہمدردی انہیں اپنی رعیت سے ہے۔ وہ ذیل کی عبارت سے ظاہر ہے۔ جو اُنہوں نے خود ایک مضمون میں لکھی ہے:۔

"جب کبھی مَیں شہر میں نکلتا ہوں۔ تو کوئی نہ کوئی شخص کچھ پوچھنے یا عرضی پیش کرنے کا خواہشمند ہوتا ہے۔ گارو کا کوئی افسر عرضی لے لیتا ہے۔ اور مَیں اُس کی عرضی کا جواب دینے کے واسطے ایک وقت مقرر کر دیتا ہوں۔ اس غرض کے لیے کہ ہر ایک شخص مجھ سے بذاتِ خود مل سکے۔ میں نے ہفتہ میں دو دن درخواست کنندوں کے لئے مقرر کر رکھے ہیں"۔

ایک اَور مقام پر لکھتے ہیں:۔

جب میں اپنی ریاست کے اضلاع میں سفر کرتا ہوں۔ تو عموماً گاؤں کے سرآوردہ اشخاص اور بعض اوقات عام کسانوں سے بھی لوگوں کے حالات دریافت کرتا پھرتا ہوں۔ تاکہ مجھے اُن کی تکلیفوں او مصیبتوں کا علم ہو سکے۔ اور مَیں اُن کی امداد کرنے کے قابل ہو سکوں۔ ایسے مواقع پر میں اپنا اصلی عہدہ چھپانے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر یہ ذرا مشکل کام ہے۔ اکثر اوقات مَیں اپنے چند اہلکاروں کو مختلف اُمور کے ملاحظہ کرنے پر مقرر کر دیتا ہوں۔ اور اپنی رعایا کے خیالات اور آرار کا از حد خیال رکھتا ہوں۔ اور چونکہ مَیں مرہٹی اور گجراتی اچھی طرح بول سکتا ہوں۔ دونوں زبانیں میری رعایا کے لیئے کافی ہیں۔ اور مجھے بذاتِ خود کسی شخص سے

خط و کتابت کرنے میں کوئی دِقت پیش نہیں آتی۔

مہاراجہ صاحب نے اپنی رعیّت کی بہتری کے لئے مدارس میں ہنر صنعت و حرفت کی تعلیم ہی جاری نہیں کی۔ بلکہ ان طُلبا۔ کے لئے بھی تعلیم کا انتظام کر دیا ہے جو علم موسیقی اور فن زراعت سیکھنا چاہتے ہیں۔ ریاست کے قریبًا تمام شہروں میں شفاخانے قائم ہیں۔ اور عورتوں کے علاج معالجہ کے لئے ڈاکٹرانیاں مقرر کر رکھی ہیں۔ مہاراجہ صاحب ایک عظیم الشان محل میں رہتے ہیں۔ جسکا نقشہ ذیل میں درج ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے محض اپنی رعایا کی بہبودی و بہتری
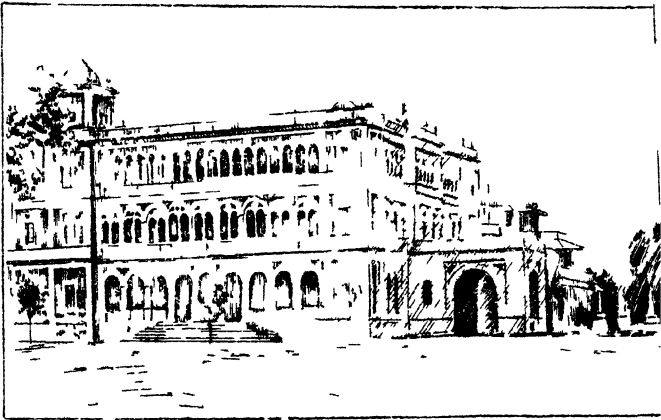
مہاراجہ صاحب کا محل واقع بڑودہ

کے لئے کالج۔ سکول۔ شفاخانے اور کئی دیگر عمارات تیار کرائی ہیں۔ اور چند سال ہوئے۔ انہوں نے تیئیس لاکھ روپیہ اس غرض سے منظور کیا تھا۔ کہ شہر بڑودہ میں آب رسانی کے لیے لوہے کے نل لگائے جاویں۔

غرض مہاراجہ صاحب کی قابلِ قدر کوششوں سے ریاست بڑودہ کے لوگ

بہت خوش ہیں۔ کسانوں اور زمینداروں پر جو سختیاں ہوتی تھیں۔ اُن کا پُورا پُورا بندوبست کیا گیا ہے۔ مہاراجہ صاحب نے پولیس کی اصلاح کے لئے بھی نمایاں کوشش کی ہے۔ اور ہر قسم کی قومی اور ملکی اصلاح میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور خصوصیّت سے اُنکی توجہ ابتدائی اور پرائمری مدارس کی تعلیم کی طرف مبذول ہے۔ جہاں اُنہوں نے صنعت وحرفت کو تعلیم کا ایک لازمی جُزو قرار دیا ہے۔ بڑودہ میں ایک آرٹس کالج بھی ہے۔ جہاں بی۔ اے تک تعلیم دیجاتی ہے۔ ورنیکلر سکولوں کی تعداد میں ہر سال ترقی ہورہی ہے۔ کیونکہ بیدار مغز مہاراجہ صاحب نے اپنی ریاست میں یہ دستور قائم کردیا ہے۔ کہ ریاست میں ہر سال ٹیس نئے مدارس قائم کئے جائیں۔ غریبوں اور مفلسوں کے لئے بھی مدارس قائم ہیں اور ان مدارس کے ساتھ طُلباء کی آسانی کے لئے بورڈنگ ہوس بھی بنائے گئے ہیں۔

مہاراجہ گائکواڑ کی طرح اُن کی مہارانی صاحبہ بھی نہایت لائق اور نیک دل عورت ہیں۔ جب سے وُہ یورپ سے واپس تشریف لائی ہیں۔ ہمیشہ قومی اصلاح اور غریبوں کی امداد میں نمایاں حصّہ لیتی رہتی ہیں۔ اُنہوں نے اپنی ہم جنس ناخواندہ عورتوں کی تعلیم کے لئے بڑی کوشش کی ہے۔ اور اسوقت اُن کی ذاتی نگرانی میں ریاست بڑودہ میں لڑکیوں کے کئی سکول قائم ہیں۔ مہارانی صاحبہ ناخواندہ لڑکیوں کو تعلیم دینے کے لئے ہر وقت کوشاں رہتی ہیں۔ اور جو لڑکیاں کامیابی سے امتحان پاس کرتی ہیں اُنکی حوصلہ افزائی کے لئے انہیں خاطر خواہ انعام دیتی ہیں۔

الغرض مہاراجہ صاحب اور مہارانی صاحبہ اپنی رعایا کے حق میں بمنزلہ رحمت کے ہیں۔ اپنے سے چھوٹوں اور غریبوں کی مدد کرنا اصلی شرافت یہی ہے۔ اور سچ تو یہ ہے۔ کہ اگر خدا نے تمہیں دولتمند بنایا ہے۔ تو تم عاجزوں پر رحم کرو۔

مسکینوں کی مدد کرو - اور محتاجوں کی ضرورتیں پُوری کرو -

لارڈ ولٹن صاحب بہادر سابق گورنر جنرل ہندوستان مہاراجہ صاحب کی بابت فرماتے ہیں :-

"مہاراجہ صاحب ! جس قدر ترقی اور تبدیلی ریاست میں آپ کی بدولت ہوئی ہے وُہ ہر ایک شخص کی ذات سے اُمید نہیں کیجا سکتی - ریاست بڑودہ خوش قسمت ہے کہ اس کے سر پر آپ جیسے لائق مہاراجہ کا سایہ ہے - آپ کی ریاست میں آکر اور آپ کے دارالخلافہ کی عام حالت کو دیکھ کر جو نیک خیالات آپ کی نسبت میرے دِل میں پیدا ہُوئے ہیں - مَیں اُن کی بُنیاد پر کہہ سکتا ہُوں - کہ ہندوستان مبارک ہے کہ جسے آپ جیسے ہونہار - خیر خواہ اور لائق والیان ریاست ملے ہیں - میں آپ کی ذات سے اُمید رکھتا ہُوں - کہ آپ ہندوستان کی ترقی اور خوشحالی کے لئے سرگرمی سے کوشش کر رہے ہیں"۔

جو نیک دل اور شریف ہوتے ہیں - اُن کی عزّت ہر ایک کرتا ہے - چھوٹے سے لیکر بڑے تک سب اس کی تعریف کرتے ہیں - مگر جو بُرے ہوتے ہیں - انہیں سب بُرا جانتے ہیں - کیونکہ بدی کا انجام ہمیشہ بُرا ہوتا ہے ۔

انگور کا کرتب

تین ٹرکی یا کسی اَور قسم کی ٹوپیاں لیکر اُنہیں ایک دُوسرے سے تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر میز پر رکھدو - پھر انگور یا کسی اَور چیز کے جو باسانی کھائی جاسکے تین دانے لیکر ہر ایک ٹوپی کے نیچے ایک ایک دانہ رکھدو - اور اپنے دوستوں سے کہو - کہ مَیں پہلے ان تینوں انگوروں کو کھا جاؤنگا - اور پھر جس ٹوپی کی طرف تم اشارہ کروگے - اُسی کے نیچے ان انگوروں کو لے آؤنگا - جب انگور علیحدہ علیحدہ کھا چکو - تو حاضرین میں سے کسی سے پوچھو - کہ انگور کس ٹوپی کے نیچے آجائیں - جس ٹوپی کی طرف وہ اشارہ کرے - اسکو اپنے سر پر رکھ لو اور دوستوں سے کہو - کہ کیا میں نے اپنی شرط پوری نہیں کردی ۔

اخلاق و آداب

ایک ہمدردِ بنی نوع انسان کے کارنامے

جان ہاورڈ ایک انگریز تھا جو اپنی اُن کوششوں کے واسطے زیادہ مشہور ہے جو اُس نے بنی نوع انسان کی رفع تکالیف و مصائب کے لئے کی تھیں۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنا وقت عیش و عشرت اور آرام میں صرف کرتا اُس نے اپنے آپ کو دوسروں کو مدد پہنچانے اور اُن کے ہمدرد بننے کے لئے وقف کر دیا اور مُلک و قوم سے "بنی نوع انسان کا ہمدرد" خطاب حاصل کیا جو ہسٹری میں دوسرے خطابات سے زیادہ لائق احترام خیال کیا جاتا ہے۔ ہاورڈ کے کارنامے اُس کی دلی ہمدردی کا پورا پورا نمونہ ہیں۔

ایک مرتبہ وہ جبکہ بالکل نوعمر تھا لزبن (LISBON) جا رہا تھا اثنا سفر میں اُسے فرانس کے لوگوں نے قید کر لیا اور برسٹ (BREST) کے ایک نہایت تنگ و تاریک قیدخانہ میں مقید کر دیا۔ جہاں اُس نے معہ اپنے دوسرے ساتھیوں کے کئی راتیں بھوک پیاس کی حالت میں نہایت تکلیف سے گذاریں۔ اُن سختیوں اور تکالیف نے اُسے اسپر آمادہ کیا کہ اپنی رہائی کے بعد وہ قیدیوں سے نیک سلوک کرتا رہیگا۔ اُسکے بعد وہ کئی سال تک کارڈنگٹن میں جو بڈفورڈ کے قریب واقع ہے۔ اور جو اسی کے قبضہ اور ملکیت میں تھا۔ اور اپنے کل پڑوسیوں سے نیک سلوک کر کے اُن کے خوش رکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ اُس نے اپنی مقبوضہ زمین پر بہت سے محنتی اور جفاکش لوگوں کو رہنے کی اجازت دی اور ساتھ ہی وہ اُن

لوگوں کی خبر گیری کرتا رہا اور انہیں آرام پہنچاتا رہا۔ اُس نے وہاں کئی سکول قائم کیے جن میں لڑکوں کو بلا کسی قسم کا معاوضہ ادا کرنے کے تعلیم دیجاتی تھی۔ وُہ اپنی عادت کے موافق اپنی آمدنی کا بہت بڑا حصّہ رفاہ عام کے کاموں اور غریبوں کی خبر گیری میں صرف کرتا اور بقیہ تھوڑی سی رقم سے وُہ اپنی بسر اوقات کرتا تھا۔

۱۷۷۳ء میں وُہ جیل خانوں کی طرف متوجہ ہوا جو بہت ہی بُری حالت میں تھے اس نے قیدیوں کو کس مپرسی کی نہایت خراب حالت میں پایا۔ اُن میں حفظ صحت کا کوئی انتظام نہ تھا اور وہاں کی حالت ایسی خراب تھی کہ بجائے قیدیوں کے عادات درست ہونے کے اُن میں اور بدی کی جانب رغبت بڑھتی تھی۔ اُس کی نہایت سخت کوشش اور جانفشانی سے اتنا تو ہوا کہ اُس کے قریب والے قید خانہ میں بہت کچھ اصلاح ہوگئی اُس کے بعد اُس نے دُور دُور جیل خانوں کے متعلق دریافت شروع کی۔ اسی غرض سے اُس نے انگلینڈ اور اسکاٹلینڈ اور آئرلینڈ کے قید خانوں کا معائنہ بذات خود جاکر کیا اور اعلےٰ افسروں سے ملکر اُس نے پارلیمنٹ سے دو ایکٹ پاس کرائے جنکی رو سے قیدیوں سے جو اُن کے خرچ کی رقم لیجاتی تھی۔ اس میں تخفیف ہوئی اور قید خانوں میں حفظانِ صحت کا پُورا انتظام ہوگیا۔

جب وُہ اپنے وطن میں یہ کام کرچکا تو اُسے وطن سے باہر کی فکر ہوئی۔ اُس نے ۱۷۷۵ء سے اپنے آخری دم تک براعظم یورپ کے بہت سے دَورے کیے اُس نے یورپ کے ہر ملک کے جیل خانوں کا معائنہ کیا اور اُنکے عیوب کیجانب وہاں کی گورنمنٹوں کو توجّہ دلائی۔

اُس نے سفر اور حضر دونوں میں نہایت کفائت شعاری کو مدِّنظر رکھا اور اس طرح جو کچھ بچگیا اُسے وُہ مصیبت زدگان کی امداد میں صرف کرتا تھا۔ اس نے سفر میں مختلف مواقع پر ایک سلسلہ مضامین کا شائع کیا جن میں قید خانوں کی

اصلاح عیوب کے متعلق اُس نے نہائت قابل خیالات کا اظہار کیا۔ ان مضامین سے لوگوں کو ہاورڈ کی ہمدردی کا حال معلوم ہؤا اور اُس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار ہونے لگا جس سے ہاورڈ کو اپنے خیالات کی تکمیل میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی۔ ۱۷۸۶ء میں اُس نے حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ اُس نے قیدخانوں کے مصائب اور تکالیف کم کرنے کی عملی کوشش کے لیئے ۴۲۰۰۰ میل کا سفر کیا ہے۔

بحرِ رُوم کے بندرگاہوں میں جب طاعون کی بیماری پھیلی تو یہ انتظام کیا گیا تھا کہ کل مُسافر جہاز پر سے اُتار کر ایک خاص مدت کے لیئے قارنطینہ میں رکھے جاتے تھے اور جب اُنکی صحت کی طرف سے اطمینان ہوتا تھا تو چھوڑ دیئے جاتے تھے۔ ان قارنطینہ کے مکانات کی حالت اُن قیدخانوں سے بھی بدتر تھی۔ بجائے اس کے کہ اس انتظام سے بیماری میں کمی ہوتی اور زیادہ ترقی ہُوئی۔ ان حالات کو سُنکر مسٹر ہاورڈ ان مکانات اور یہاں کا انتظام دیکھنے کی غرض سے خود آمادہ ہُوا۔ ۱۷۸۵ء میں وُہ اکیلا تن تنہا چل کھڑا ہؤا۔ کیونکہ وُہ کسی دُوسرے کو مُبتلائے مُصیبت کرنا نہ چاہتا تھا۔ وُہ جنوبی فرانس کی طرف سے۔ اٹلی۔ مالٹا۔ سمرنا اور قسطنطنیہ ہوتا ہؤا پھر سمرنا کو جہاں طاعون کا زور تھا واپس آیا۔ تاکہ وینس (VENICE) میں جہاں کہ اب وُہ جانا چاہتا تھا طاعون زدہ مقام سے آنے کی وجہ سے قارنطینہ میں خواہ مخواہ رکھا جاوے اور وہاں کے انتظام وغیرہ کے دریافت کا موقع اُسے ملے۔ رستہ میں مور (MOORISH) بحری ڈاکوؤں نے اس کے جہاز پر حملہ کیا جس کے بچانے کے لیئے جان توڑ کوشش کی گئی اور جس میں آخر کار ڈاکوؤں کو بے نیل و مرام واپس جانا پڑا۔ اِس کوشش میں ہاورڈ نے بہت بڑا حصّہ نہ لیا۔ وینس پہنچکر اُسے حسب قاعدہ

قارنطینہ میں اُتار اگیا جہاں وہ غیر معمولی مسرّت سی جانے پر آمادہ ہوگیا۔ وہاں
اُسے ضابطہ کے مطابق ۴۰ دن تک رنج و تکلیف میں بسر کرنا پڑا۔ جسے اُس نے
صرف بنی نوع اِنسان کے لئے مفید تصوّر کرکے بہت خوشی سے قبول کیا۔
یہ باتیں ایسی تھیں کہ اُن کی قدر آخر کار تمام عالم نے کی۔ شاہنشاہ جرمنی نے
قدردانی کا عملی ثبوت اِس طریقہ پر دیا کہ جب مسٹر ہاورڈ وائنا ہوتا ہوا واپس جانے
لگا تو اُس نے مُلاقات سے مشرف ہونے کی درخواست کی اور اس نے ایک
چندہ کی بنیاد ڈالی جس سے مسٹر ہاورڈ کا بت بنا کر شہر کے صدر مقام پر نصب
کیا جائے۔ مگر ہمدرد بنی نوع انسانؑ کی خواہش پر جو اُسی طرح متین تھا جس طرح
پر وُہ نیک دِل واقع ہوا تھا۔ یہ خیال عملی صُورت میں آنہ سکا۔
۱۷۸۹ء میں اُس نے اپنا آخری دَورہ شروع کیا جس میں اس نے جرمنی
سینٹ پیٹر برگ اور ماسکو کے تمام قید خانے اور شفا خانے جو اس کے معائنہ کے
لئے عام طور پر کھُلے ہوتے تھے۔ معائنہ کئے۔ بعد ازاں وُہ بحر اسود کے متصل
رُوس کا نوآبادی میں جاکر کرسن میں مقیم ہوا جہاں ایک مُہلک بخار بڑے زور و
شور سے پھیل رہا تھا۔
ایک لیڈی نے جو اسی بخار سے علیل تھی مسٹر ہاورڈ کو بُلایا کیونکہ اُس نے
اُمید کی تھی کہ مسٹر ہاورڈ کے علاج اور کوشش سے اچھے ہو جائینگے۔ مسٹر ہاورڈ جو
ہر شخص کی خواہش پُورا کرنے پر ہر وقت کمر بستہ رہتا تھا اُس کی مدد کو گیا۔ اور
غالباً اُس کے بخار نے اس پر بھی اپنا اثر ڈالا چنانچہ اسی میں اُس نے اپنی جان
خدائے جان آفرین کے سپرد کی۔ وُہ کرسن کے قریب ہی دفن کیا گیا جہاں
تھوڑے عرصہ کے بعد شاہنشاہ الگزنڈر نے اُس کی یاد میں ایک یادگار بنوائی۔
اِس طور پر ایک ایسے بڑے آدمی کا خاتمہ ہوا۔ جس کی عزت اُس کے اہل وطن اور

نیز شاہانِ یورپ کرتے تھے اور وہ ان لوگوں میں تھا جس پر بنی نوع انسان فخر کر سکتے ہیں+

خواجہ حسن الدین

بزرگوں کا ادب اور عزّت

ایک چھوٹا سا بچہ ایک بزرگ مہاتما کے درشن کر کے جب گھر آیا تو اُس کی لائق والدہ نے پُوچھا کہ بیٹا تم کہاں گئے تھے۔ بچے نے بڑے اطمینان سے کہا کہ ماتا جی میں آج ایک بزرگ کے درشن کرنے کے لئے گیا تھا۔

ماں۔ تمہاری آنکھیں مُبارک ہوئیں۔

بیٹا۔ مَیں نے اُنکے قدموں میں سر جھکا دیا۔

ماں۔ تمہارا سر مُبارک ہو گیا۔

بیٹا۔ پھر مَیں نے پانی سے اُنکے پَیر دھوئے۔

ماں۔ تمہارا ہاتھ مُبارک ہُوا۔

بیٹا۔ مَیں نے اُن کا وعظ سُنا۔

ماں۔ تمہارا دِل اور رُوح دونوں مُبارک ہوئے۔

بیٹا۔ مَیں پھر گھر چلا آیا۔

ماں۔ جانے اور آنے میں تمہارے پاؤں بھی مُبارک ہو گئے۔

ایل۔ آر نیّر لودیانوی

نوشت و خواند

ہر کام کو اپنی سمجھ سے انجام دو

بعض لڑکوں کو جب کبھی کوئی مشکل سوال حل کرنا ہوتا ہے۔ تو وہ اُسے اُستاد کے پاس لیجاتے ہیں۔ یا اپنے کسی ہم جماعت سے حل کردینے کو کہتے ہیں۔ لیکن تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ سوالات کا حل کرنا۔ یا کتابوں کا مطالعہ کرنا کھانا کھانے کی طرح ہے۔ جو شخص کھانا خود کھاتا ہے۔ وُہی کچھ اُس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اَوروں کو کھاتے دیکھ کر کبھی بھُوک نہیں بھاگ سکتی۔ اگر تم پیاسے ہو تو بہتے ہُوئے چشمہ سے اَوروں کو پانی پیتے دیکھ کر تمہاری پیاس نہیں بُجھ سکتی۔ اِسی طرح اگر تم اپنے سوال کسی اَور سے حل کرا لیتے ہو۔ تو اِس سے تمہیں کسی قسم کا فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

کیا تم جانتے ہو؟ کہ اُستاد کی لیاقت اور قابلیت دن بدن کیوں ترقی کرتی جاتی ہے؟ اِس کی وجہ صرف یہ ہے کہ لڑکے اُس سے ہر ایک بات پُوچھتے ہیں اور اُسے اپنے دماغ پر زور ڈال کر صحیح جواب دینا پڑتا ہے۔ اگر تم بھی ہر قسم کے سوالات کا جواب دینے کے لئے خوب غور اور سوچ سے کام لو۔ اپنے فرائض خود انجام دو۔ کسی سے مدد نہ لو۔ تو تمہاری لیاقت بھی روز بروز بڑھتی جائیگی۔

اگر ایک دفعہ تم کسی سوال کو حل نہیں کر سکے۔ تو دوبارہ کوشش کرو۔ یہ محنت اور کوشش کبھی رائگاں نہیں جاتی۔ جتنی بار کوشش کروگے۔ اُتنے ہی گُنا تمہاری لیاقت بڑھ جائیگی۔ اور آخر تم ضرور کامیاب ہو جاؤگے اُس محنتی لڑکے کی طرف

دیکھو۔ جس نے چھ گھنٹے کے مطالعہ و محنت کے بعد اپنا سبق بخوبی یاد کر لیا ہے
اس کی آنکھیں خوشی سے کیسی چمک رہی ہیں۔ اور وہ کس مسرت آمیز لہجہ میں اپنا
سبق پڑھ کر سنا رہا ہے۔ اِدھر اس غریب کمزور لڑکے کو دیکھو۔ کس طرح مایوسی
کی حالت میں بیٹھا ہوا ہے۔ اگر یہ بھی محنت کر کے سبق اچھی طرح یاد کر لیتا۔ تو
اِس کی یہ حالت کبھی نہ ہوتی۔ کیونکہ کل تک تو اِن دونوں کا نمبر جماعت میں اکٹھا
تھا۔ مگر محنت اور غور کرنے سے ایک کا نمبر بہت اُوپر چلا گیا ہے۔

جس لڑکے نے محنت اور کوشش کی۔ اور اپنے دماغ پر زور ڈالا۔ وہ جماعت
میں اوّل ہو گیا۔ اور آئیندہ کے لئے اُس کی ہمّت بڑھ گئی۔ مگر جو اوروں کا مُنہہ
تکتا رہا۔ اور خود کچھ نہ کیا۔ اس کی ہمّت ٹوٹ گئی اور اب اسکو ایک خاص استقلال
سے زیادہ محنت کی ضرورت ہے۔

طالب علمو! تم اِن میں سے کس لڑکے کی طرح ہونا چاہتے ہو۔ اگر اُس محنتی
لڑکے کی طرح جماعت میں اچھا نمبر حاصل کرنا چاہتے ہو تو ہر کام کو اپنے ہاتھ سے
اور بغیر کسی کی مدد کے کرنے کی کوشش کرو۔ اِس سے تمہیں غور و فکر کی عادت
ہو جائیگی۔ اور پھر تم مشکل سے مشکل سوال بھی آسانی سے حل کر لیا کرو گے۔

اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرو

ہر ایک کام کو اپنی ذاتی محنت اور کوشش کے بھروسہ پر سر انجام کرنیکی کوشش کرو
تم اُس شخص سے کہیں زیادہ کامیابی حاصل کرو گے۔ جو ہمیشہ دُوسروں کی مہربانی
اور سرپرستی کا محتاج رہتا ہے۔ کوئی شخص تمہاری اتنی مدد نہیں کر سکتا۔ جتنی
تم خود اپنی آپ مدد کر سکتے ہو۔ کیونکہ کسی اَور کو تمہارے معاملات میں اِس قدر

ورزش اور کھیل

پنجاب کے چند کھیل

گلی ڈنڈا

پنجاب کا یہ ایک بڑا مشہور کھیل ہے۔ جس میں جس قدر لڑکے چاہیں۔ حصّہ لے سکتے ہیں۔ پہلے زمین میں ایک چھ سات انچہ لمبا۔ کوئی دو انچہ چوڑا اور قریبًا اسی قدر گہرا گڑھا کھودا جاتا ہے۔ جسے اردو اصطلاح میں "گچی" اور پنجاب میں ہٹی یا گھتی کہا جاتا ہے۔ ایک لڑکا اس پر اپنی گلی۔ جسے اردو زبان میں گلی کہتے ہیں۔ رکھ دیتا ہے۔ اور ڈنڈے کا ایک سرا گچی میں رکھ کر اس سے گلی کو زور سے ابھار کر ان لڑکوں پر پھینکتا ہے (اس طرح پھینکنے کو پنجاب میں "راب دینا" بولتے ہیں) کہ جو گچی کے سامنے کوئی بیس یا بائیس قدم کے فاصلے پر کھڑے ہوتے ہیں۔ ان میں سے جو لڑکا گلی کو لپک لیتا ہے (لپک لینا کو پنجابی اصطلاح میں جھوپ لینا کہتے ہیں)

گلی ڈنڈا

اب اس کی باری گلی پھینکنے کی آتی ہے۔ اور پہلا لڑکا آوٹ ہو جاتا (یا اس کھیل کی پنجابی اصطلاح میں سڑ جاتا) ہے۔ اگر تمام لڑکے گلی کو پھینکنے میں ناکام رہیں تو پھر سے ایک لڑکا گلی کو زمین پر سے اٹھا کر ڈنڈے پر کہ جو اسی غرض سے گچی پر رکھا ہوتا ہے پھینکتا ہے

اگر اس طرح پھینکنے سے گلی ڈنڈے سے چھو جائے۔ تو لڑکا آوٹ سمجھا جاتا ہے۔
لیکن اگر گلی ڈنڈے سے نہ لگے۔ تو کھیلنے والا لڑکا ڈنڈے کو پکڑ کر گلی کے
ایک سرے پر مارتا ہے۔ جس پر وُہ اُبھر کر ہوا میں اُوپر کو چڑھ جاتی ہے۔ اور
جب زمین کی طرف نیچے آنے کو ہوتی ہے تو وہی لڑکا اُسے ڈنڈے کے
ذریعہ سے بہت دُور پھینک دیتا ہے۔ پنجابی زبان میں اُسکو "گل لگانا" کہتے
ہیں۔ اسی طرح ہر ایک لڑکا باری باری کھیلتا ہے۔ چونکہ اس کے کھیلنے کے
طریقے مختلف ہیں۔ اِس لئے بوجہ قلّتِ گنجائش اُن کا مفصّل بیان درج نہیں کیا جا سکتا۔

گیڈی

یہ کھیل عموماً سردی کے مہینوں میں کھیلا جاتا ہے۔ مگر اس کا رواج زیادہ تر
دیہات میں ہے۔ چھوٹے لڑکوں سے لیکر جوانوں اور بوڑھوں تک بھی اس میں
حصّہ لیتے ہیں۔ چھوٹے لڑکے چھوٹی لکڑیوں سے۔ نوجوان اور بوڑھے آٹھ آٹھ

لڑکے گیڈی کھیل رہے ہیں

دس دس سیر وزنی لکڑیوں سے بھی کھیلتے ہیں۔جنکو گیڈی کہا جاتا ہے کسی صاف جگہ پر ایک لکیر کھینچ لی جاتی ہے۔ایک لڑکا لکیر سے ورے کھڑا ہوتا ہے۔ اور ایک پرے کھڑا ہو کر ایک لکڑی اس کی طرف پھینکتا ہے جسکو آگا دینا بولتے ہیں۔ جو لڑکا لکیر سے اس طرف کھڑا ہوتا ہے۔ وُہ اپنی گیڈی سے اُس پھینکی ہُوئی گیڈی کو ہلکی سی ضرب لگاتا ہے۔ پھر اسکا حریف ایسا ہی کرتا ہے۔ آخر اُن میں سے ایک اِس زور سے اپنی گیڈی کو جب وُہ مناسب موقع دیکھتا ہے دُوسری پر مارتا ہے۔ کہ وُہ لکیر سے پار ہو جاتی ہے۔ اور لکیر سے پار ہوتے ہی وُہ اس لڑکے کی ملکیت سمجھی جاتی ہے۔ پھر دُوسری لکڑی سے کھیل شروع کیا جاتا ہے اور اِسی طرح یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری رہتا ہے۔ لڑکے اس میں ایسے محو ہو جاتے ہیں۔ کہ اسوقت انہیں سوائے گیڈی کے کسی اَور چیز کی پروا ہی نہیں رہتی *

کھِدّو ٹلّا یا کھِدّو کھونڈی

یہ کھیل بھی سردی کے مہینوں میں بہت کھُلے میدان میں کھیلا جاتا ہے۔ مگر جیسا یہ عام ہے۔ ویسا ہی خطرناک بھی ہے۔ میدان کے دونو طرف حدود قائم کر لیجاتی

ہیں۔ اور لڑکوں کی دو حریف پارٹیاں بن جاتی ہیں۔ دونو طرف کے لڑکے جن کے ہاتھ میں مضبوط لاٹھیاں ہوتی ہیں۔ یہی کوشش کرتے ہیں۔ کہ گیند کو لاٹھی سے مار کر حریف کی حد سے باہر نکالا جائے۔ اور گیند جس پارٹی کی حد سے باہر نکل جاتی ہے۔ وُہ پارٹی مغلوب و مفتوح قرار دیجاتی ہے۔ گیند کو لاٹھی سے مارنے کی کشمکش میں جب دونوں پارٹیاں ایک دُوسری میں آکر ملجاتی ہیں۔ اور ہر مخالف فریق کا لڑکا اپنی کھُنڈی کو بیدریغ گیند پر مارتا ہے۔ تو اُسکو مطلق یہ خیال نہیں ہوتا۔ کہ میری کھُنڈی کسی کے سر پر لگیگی۔ یا کسی کی ٹانگ کو توڑ ڈالیگی۔ غرض ایک فریق غالب آجاتا ہے۔ اور وُہ گیند کو دُوسرے کی حدُود سے باہر نکال دیتا ہے۔ پنجاب کے کھِدّو کھُنڈا اور انگلستان کے فُٹ بال میں بہت کچھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ کم ازکم اصُول دونوں کا ایک ہے ✤

کبڈّی یا کوڈی

مذکورہ بالا کھیلوں میں ڈنڈا ایک اشد ضروری چیز ہے۔ مگر ذیل کی کھیلوں میں اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ کبڈّی پنجاب کا ایک ہردلعزیز اور نہایت مشہور کھیل ہے۔ اور مُفید بھی ہے۔ ایک صاف سُتھری زمین میں ایک خط کھینچا جاتا ہے

یا رسیت سے درمیان میں ایک حد سی بنا دیجاتی ہے۔ لڑکوں کے دو فریق بنکر اس حد

کے دونوں طرف کھڑے ہو جاتے ہیں - ایک لڑکا اس درمیانی حد سے گذر کر فریق
مخالف کی پالی میں حملہ کرنے جاتا ہے - اور جب تک فریق مخالف کی حد میں رہتا ہو
بلا دم لینے کے کبڈی کبڈی کہتا رہتا ہے - یہ جب کسی حریف لڑکے کو چھو کر
کبڈی کبڈی کرتا ہوا واپس آجائے - تو چھوا ہوا لڑکا اس کھیل کی اصطلاح میں
مُردہ خیال کیا جاتا ہے - اور اس کو کھیل سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے - اب دوسرے
فریق کا ایک لڑکا اسی طرح فریق مخالف کی حد میں آتا ہے - اور اگر وہ اس فریق
کے کسی لڑکے کو چھو کر واپس چلا جائے - تو اس کی طرف کا مُردہ لڑکا زندہ ہو جاتا
ہے - لیکن اگر وہ پکڑا جائے - اور اپنی حد میں واپس نہ آسکے - یا اگر سانس
ٹوٹ جائے اور اُسے کوئی لڑکا چھو جائے - تو وہ مُردہ سمجھا جاتا ہے - اسی طرح
کھیل جاری رہتا ہے - اور آخر کار ایک فریق سارے کا سارا مُردہ ہو جاتا ہے -
اس کھیل سے تفریح کے علاوہ جسم مضبوط اور طاقتور ہوتا ہے - قوتِ ہاضمہ
تیز ہوتی ہے - تمام اعضا آزادی سے حرکت کرتے ہیں - اور لڑکوں کی طبیعت
ہمیشہ مسرور رہتی ہے - اس کھیل کا پنجابی نام کوڈی (کھڈی) ہے - مگر کوڑی
میں بھی کچھ مبالغہ پایا جاتا ہے - کیونکہ اس کھیل میں کوڑی بھی خرچ نہیں ہوتی +

اُنی ٹینی پون سلائی

یہ کھیل جس کو اردو اصطلاح میں ڈھیک مچولی کہتے ہیں - اور جو اپنی نوعیت
میں انگریزی کھیل Blindman's Buff سے بہت کچھ ملتا ہے - اس طرح
شروع ہوتا ہے - کہ ایک لڑکا اپنے آگے ایک لڑکے کو لٹا کر اُس کی آنکھیں بند
کر دیتا ہے - چند لڑکے باری باری اُس کے سامنے سے گذرتے ہیں - اور

ہر ایک لڑکے کے گذرتے وقت اوّل الذکر لڑکا لیٹے ہُوئے لڑکے سے جس کی آنکھیں بند ہوتی ہیں پُوچھتا ہے۔ "کرکرم کرنی کون کریا" جسکا مطلب یہ ہے۔ "بتاؤ۔ اب کون لڑکا تمہارے آگے سے گذر رہا ہے" اگر اُس نے گذرنے والے لڑکے کا نام ٹھیک بتا دیا۔ تو پھر اُس گذرنے والے لڑکے کی آنکھوں پر پہلے لڑکے کی طرح پٹّی باندھ دیجاتی ہے۔ اور اس سے بھی یہی سوال وجواب ہوتے ہیں۔ اگر وُہ کسی کا نام نہ بتا سکے۔ تو تمام گذرنے والے لڑکے چھپ جاتے ہیں۔ اور لڑکے کی آنکھیں کھول کر اُس سے سوال کیا جاتا ہے کہ بتاؤ فلاں لڑکا کہاں چھپا ہے"؟ اگر اُس نے صحیح جواب دیدیا۔ تو معلوم شدہ لڑکے کی آنکھیں بند کی جاتی ہیں۔ ورنہ غلط جواب کی صُورت میں اس لڑکے کی آنکھیں دوبارہ بند کی جاتی ہیں اور سوال وجواب کا سلسلہ ازسرِنو شروع ہوتا ہے۔ یہ بہت پُر لُطف کھیل ہے۔ چھوٹے بچّوں کو مرغوب ہے۔

شیشہ باشا

یہ کھیل صرف تفریحی ہوتا ہے۔ ورزش کی قسم سے اس میں کوئی خوبی شامل نہیں ہے جوہڑ (چھپڑ) کے کنارے جہاں گیلا ریت مل سکے۔ بہت سے لڑکے جمع ہوجاتے ہیں۔ اور اپنا پاؤں زمین پر رکھ کر اس پر ریت ڈال کر ڈھیر کو اپنے ہاتھوں سے ٹھونک کر جس سے پانی خارج ہوجاتا ہے سخت کر دیتے ہیں۔ پھر آہستہ سے پاؤں نکال لیتے ہیں۔ یہ ڈھیر چھوٹے چھوٹے خوبصورت غاروں کی طرح اندر سے خالی ہوتے ہیں۔ یہاں تک تو کھیل بالکل بے عیب ہے۔ مگر اس کا اگلا حصّہ بڑا مضر ہے۔ جب یہ چھوٹا سا ریت کا مکان اس طرح تیار ہوجاتا ہو۔

تو اُس کے مُنہہ کی طرف ایک چھوٹی سی دیوار بنا دیجاتی ہے - پھر اس کو پانی سے بھر کر منہہ کو بالکل بند کر دیتے ہیں۔ اور پانی چاروں طرف سے اُس میں قابو آجاتا ہے - پھر اُس خوبصُورت مکان کا مالک چوٹی میں سے ایک سُوراخ کر دیتا ہے -

اور دو چار بھولے بھالے لڑکوں کو کہتا ہے۔ کہ دیکھو۔ اسمیں سے کبوتر نظر آتے ہیں۔ جب بیچارے لڑکے کبوتر دیکھنے کی غرض سے اُس سُوراخ میں سے اندر کی طرف جھانکتے ہیں۔ تو وُہ لڑکا اُن سب کے سروں کو زور سے نیچے دبا دیتا ہے۔ جس سے پانی اور ریت نادان لڑکوں کی آنکھوں اور مُنہہ میں چلا جاتا ہے - اور اکثر اوقات بہت نقصان پہنچاتا ہے - مگر بھولے بھالے لڑکے جو پاس کھڑے ہُوئے یہ تماشا دیکھتے ہیں - اس نقصان کو نہ سمجھتے ہُوئے خوب قہقہہ لگاتے اور خوش ہوتے ہیں - غرض اس کھیل کا پچھلا حصّہ ترک کر دینے کے قابل ہے - اور پہلا حصّہ چھوٹے بچّوں کی تفریح کا بیشک اچھا ذریعہ ہے۔

قائم رہو

(۱) قائم رہو جبکہ کوئی ترغیب یا آزمائش تمہیں پھسلانے کے لئے مُنہہ دکھلائے - زور سے کہدو جاؤ دُور ہو! میں تیرا خواہاں نہیں۔ (۲) قائم رہو جبکہ شیطان تمہیں اپنا غلام بنانے کی کوشش کرے - اگرچہ وُہ طاقتور ہے لیکن اتفاق سے بُزدل بھی ہے۔ (۳) قائم رہو اپنی نیکی پر۔ اپنے چال چلن پر۔ اپنی روحانی طاقت پر۔ پھر جان لو کہ تمہیں کوئی نہیں ہلا سکتا۔

(ایل - آر - نیّر آنند آشرم لودیانہ)

صنعت و حرفت اور تجارت

ہنر نامہ المعروف بہ آراستگی صناعت

جناب ایڈیٹر صاحب التسلیم۔ "ہنر نامہ المعروف بہ آراستگی صناعت" کا بقیہ حصّہ بھی ارسال خدمت ہے۔ اُمید ہے کہ اسکو بھی حسب سابق "بچوں کا اخبار" میں درج فرما کر ممنون و مشکور فرمائیگا۔ راقم سید محمد طٰہٰ از بہار

(سلسلہ کے لئے دیکھو نومبر کا پرچہ)

دس برس میں ہی پھر اس قوم کو ثروت ہو غمکدہ مفلسوں کا خانۂ با دولت ہو
ان میں تاجر ہو کوئی اور کوئی ذی صنعت ہو ہمیں گھر سے بھی نکلنے کی نہ پھر حاجت ہو

پوچھتے پھرتے ہیں انگلینڈ کے تجار ہمیں
ڈھونڈھتے آتے ہیں برلن کے خریدار ہمیں

کسی صنعت میں نہیں ہائے سلیقہ ہم کو اس طرف کھینچ کے کوئی نہیں لاتا ہم کو
چھوٹے سے چھوٹا ہنر بھی نہیں آتا ہم کو کلوں کا کام تو کیا کوئی سکھاتا ہم کو

اہل یورپ سے جو باتیں کبھی ہو جاتی ہیں
آنکھیں اوپر کو نہیں اُٹھتی ہیں شرماتی ہیں

ان لفافوں کا بنانا بھی ہے مشکل کوئی اسے دشوار کہے گا کبھی عاقل کوئی
ایسی صنعت پہ نہیں ہند میں مائل کوئی نہیں رکھتا ہے مگر اس کی طرف دل کوئی

چھوٹے کاموں کو جو ہم لوگ سمجھتے ہیں ذلیل
اپنے افلاس کی دیکھو یہی روشن ہے دلیل

کاغذ ایجاد ہوئے ایسے کہ دیکھے نہ سُنے ۔۔۔ لبڈی پیپر ہیں میں کہا پھول کے تختے ہیں کھلے
صفحۂ رُخ بھی صفائی کو نہ جس کی پہونچے ۔۔۔ یک قلم سامنے جس کے ورق گل میلے
جدولیں ان کی سبھی نور کی تحریریں ہیں
خط مسلسل جو ہیں وہ نقرئی زنجیریں ہیں

پیچکیں آتی ہیں بن بن کے سو کیسی اچھی ۔۔۔ کتنی ہموار لپیٹ ان کی ہے الجھی سلجھی
نہ تو پھندا کوئی اس میں نہ گرہ ہے کوئی ۔۔۔ ہم سے کھل جائے تو بند نہیں بندی اُسکی
ہی انہیں صنعتوں پر ناز ہمیں واہ رے ہم
اپنے جاموں میں سماتے نہیں اکڑ رہے ہم

کھٹے[1] جھانے ہی کی ململ پہ ہمیں سو سو ناز ۔۔۔ زعم میں اپنی سمجھتے تھے اُسے ہم اعجاز
کیا انگلش نے جو اک بار در صنعت باز ۔۔۔ ہم کو ہر رنگ میں دکھلائی نئی اک پرواز
چھینٹیں وہ چھاپ کے بھیجیں کہ ملا لطف بہار
ایک اک ڈیہی پہ ہوں سو تھان چندیلی کے نثار

وہی مٹّی ہے جو انگلینڈ کی یاں بھی ہے وہی ۔۔۔ کوئی شے اُن کی سی پھر کیوں نہیں ہم سے بنتی
چائے پینے کی پیالی ہے سنہری کیسی ۔۔۔ صاف تو صاف ہی پھر اس پہ ہے ہلکی کتنی
بیل بوٹے جو دکھا دیں تو مصوّر شرمائے
نازکی پر کمر نازکِ جاناں غش کھائے

دائرے بیلو کے گول ایسے کہ بس دَورِ قمر ۔۔۔ لے کے پرکار کو ناپو تو برابر یکسر
پھول رخسارۂ معشوق سے رنگیں بڑھکر ۔۔۔ ڈالیاں پھولوں کی ہیں غیرتِ شاخ گل تر
تشتری گلشنِ جنت کی دکھاتی ہے بہار
چار دانوں کے چمن پر گل فردوس نثار

(ناتمام) (زیبی رشید)

---

[1] یہ گیا ضلع کا ایک سب ڈیویژن ہے۔ جہاں سے ڈپٹی نصیرالدین صاحب نیر بھوپال ہو گئے ہیں۔

روئے زمین کے بچّے

کربلائے مُعلّےٰ میں ایک بچّے کی سرگذشت

سلسلہ کے لئے دیکھو نمبر۔

ایک روز صبح کو جبکہ میں مکتب پہونچ گیا تھا۔ سرباز نائب یعنی سفارت ایران کے سپاہی نے آکر اطلاع دی کہ علم الہدیٰ جناب شیخ مرتضیٰ انصاری (مشہور مجتہد العصر) نے نجف اشرف میں کل شام کو انتقال فرمایا ہے۔ یہ سنتے ہی جناب حاجی نے ہم سب کو چھٹی دیدی۔ دو گھنٹہ دن چڑھا ہوگا۔ جبکہ میں نے مکتب سے مکان کو جاتے ہوئے خلاف معمول تمام دوکانیں بند اور بازاروں میں عاشورہ کی ایسی کیفیت دیکھی۔ تھوڑی دیر بعد سے شہر میں ماتم کا غل سنائی دیا۔ میں کھانا کھا کر باہر گیا۔ اور صحن حضرت میں محرم کیطرح غول کے غول ماتم کرتے دکھائی دئے شام تک بازار بند اور ہر شخص رونے پیٹنے میں مصروف تھا۔

دوسرے دن سے صحن حضرت میں۔ بڑی مسجدوں مدرسوں اور دیگر علماء کے گھروں میں فاتحہ خوانی کی مجلسیں ہونے لگیں۔ یہ ہی کیفیت عموماً ہر ایک مجتہد اور نامی عالم کے انتقال پر شہر کی ہو جاتی اور اسی طرح کی مجلسیں قرآن خوانی کی تین یا پانچ یا دس روز تک ہوا کرتی ہیں۔ اور اخیر دن روضہ خوانی کر کے گلاب تقسیم کیا جاتا ہے۔ یہ مقدس و متین جلسہ دیکھنے کے لائق ہوتا ہے۔ جس میں بڑے لمبے دبیز ایرانی قالین کے فرش پر علماء فضلاء رُوساء

عرب و عجم اور طلاب بیٹھے قرآن پڑھتے ہیں۔ ان کے بڑے بڑے سفید و سیاہ گول عمامے۔ لمبی داڑھی۔ شریفانہ عربی لباس سے تہذیب و وقار پڑستا ہے۔ وہ فرش کے قریب قریب پہونچکر زرد چمڑے کی سپاٹ عربی جوتیاں اتار دیتے جو غلام یا خدمتگار اٹھا لیتا اور عصائے دستی بھی اس کے حوالہ کرکے آگے بڑھتے جن کی تعظیم حسب حیثیت کی جاتی ہے۔ وہ ڈھیلی ڈھالی بے آستینوں کی سیاہ عبا کے نیچے دوہری لمبی قبا۔ کرتہ۔ عریض مہری کا پائجامہ پہنے اور قبا پر کمر بند لپیٹے مودب دوزانو بیٹھے دکھائی دیتے ہیں۔ سیدوں کے لئے سیاہ عمامہ و کمر بند مخصوص ہے۔ جس کا غیر سید کو استعمال کرنا گناہ ہے۔

محفل میں پہونچنے پر چھوٹی سی چلم کا ناریل۔ لمبی شطب اور شیشہ کا خوشنما حقہ بھی پیش کیا جاتا ہے۔ جس کی چلم میں صرف تمباکو کا چورا پانی میں بھگو کر بھرا جاتا۔ اور اس پر دو تین انگارے رکھدئے جاتے ہیں۔ متوسط الحال اور طلاب جو تمباکو پینے کے عادی ہیں۔ اپنے عمامہ کی تہ یا جیب سے ایک خوشنما دوہری تھیلی نکال کر اپنی سبیل[1] آپ بھر کے پیتے ہیں۔ اس تھیلی میں ایک سبیل تھوڑا تو توں[2]۔ اور ایک ڈبیا قو[3] کی ہوتی ہے۔

گاڑھا۔ کڑوا۔ اور گرم قہوہ چھوٹی چینی کی پیالی میں دیا جاتا ہے۔ جسے گھما گھما ٹھنڈا کرتے اور پی جاتے ہیں۔ شطب۔ قہوہ اور قلیان غمی شادی یا دعوت کے تمام جلسوں میں پیش کیا جاتا ہے۔

عربی دعوت میں تمام شام کو بڑے والان یا کوٹھے پر فرش کرکے موٹے چوکور

---

[1] سبیل خوبصورت بہت چھوٹی سی مٹی کی چلم۔

[2] زرد تمباکو کی باریک پتیاں۔

[3] قو کی کاغذ کی دیا سلائی۔

تکیہ برابر برابر دیوار سے لگا دیئے جاتے ہیں۔ جن کا سادہ رُخ دیوار کی طرف اور چمکتی گوٹ کا مخملی رُخ محفل کی طرف ہوتا ہے۔ نماز جماعت کے بعد سے لوگ آنے لگتے ہیں۔ جب تھوڑی ہی دیر میں کوٹھا ان مقدس عربوں سے جو بلائے گئے ہیں۔ بھر جاتا ہے۔ تو دسترخوان بچھتا ہے۔ کھانے کے لئے سینیوں میں نرم پلاؤ رکابیوں میں مسلم بھنڈی کا کھٹا سالن بغیر مرچ و مصالحہ کا اور روٹی پیش کیجاتی ہے اگر یہ محض دعوت ہے تو کھانا کھا کر سب اپنے گھر کا راستہ لینگے۔ اور اگر مجلس ہے تو بعد کھانے کے ایک شخص کھڑا ہو کر اپنی عربی زبان میں حضرت امام حسینؑ کا حال بیان کرے گا۔ جس کو سنکر حاضرین خوب روئینگے۔ ذاکر کی روہانسی آواز دور تک جائے گی۔ اور گرمیوں میں کوئی کوٹھا ایسا نہ ہوگا جس پر پہر یا ڈیڑھ پہر رات گئے تک کئی طرف سے یہ بھاری دردناک آواز نہ سنائی دے۔

شادی کا کھانا بھی اسی طرح کھلایا جاتا ہے۔ اور زنانے میں عورتیں دولہن کی آراستگی میں مصروف رہتی ہیں۔ جس کے چہرہ کا نقش و نگار ایک تصویر رنگنے سے زیادہ تر مشکل کام ہے۔ نہلانے کے بعد ایک کوٹھری یا کسی خاص گوشہ میں علیٰحدہ دولھن کو لیجاتے ہیں۔ جہاں وہ بے دم بُت کی طرح چت پڑی رہتی ہے۔ اور چند جوان عورتیں اس کے چہرے کی رنگ آمیزی میں مشغول ہو کر بیٹھتی ہیں۔ رخسارے ٹھوڑی اور خاص کر بھوؤں کی درستی میں اپنا اپنا ہُنر دکھاتی ہیں۔ بھوؤں کا عرض گھٹا کر باریک خط بالوں کا باقی رکھا جاتا ہے۔ اس موقع پر ہم ایسے مسکین لڑکے کے سوا کوئی لڑکا یا غیر عورت بھی نہیں جانے پاتی۔ دیگر عورتوں کی طرح اس کی پوشاک بھی داریہ (ایک لمبا ڈھیلا ڈھالا بہت ڈھیلی آستینوں کا کرتا) ہوتی ہے۔ دولھن کو بناؤ سنگار کے بعد تھوڑا سا دن باقی رہے۔ انگنائی میں لاتے اور دیوار سے لگا کر کھڑا کرتے ہیں۔ اس کا رخ

قبلہ کی طرف ہوتا ہے۔ گھر بھر کی عورتیں اُسے گھیر کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ایک عورت برنجی شمعدان میں تبیاں جلا کر لاتی اور دولھن کے سر سے پاؤں تک بار بار اس شمعدان کو اتارتی اور حسن تعریف کا گیت گاتی جاتی ہے جس کا صرف ایک پہلا لفظ یا حُسننہا مجھے یاد رہا۔ دوسری عورتیں عجیب خوشی کا نعرہ بلند کرتی جاتی ہیں جس سے صرف قِلِی لِی لِی لِی لِی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اور حسب مقدور بیشلق چرخی۔ قمری (سکھاے عثمانی) بطور چرغی یا رونمائی کے اسی شمعدان کے تھال میں جو دولھن کے حسن پر نثار ہو رہا ہے۔ ڈالتی جاتی ہیں۔ تھال قمری وغیرہ سکون سے بھرتا جاتا اور ایک عورت کے دامن میں خالی ہوجاتا ہے۔ جب تک شمع روشن رہتی اور چراغی اس میں پڑتی جاتی ہے۔ تب تک یہ مبارک عمل جاری رہتا ہے۔ اہل خبرت وبصیرت سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اس بہت بڑی خوشی کے ضروری طریقہ سے قدیم رسم کا پتہ چلتا ہے۔ غرضکہ ان رسوم اور عقد نکاح کے بعد شب کو دولھن عورتوں کے غول میں پیدل دولھا کے گھر پہونچا دیجاتی ہے۔

قریب قریب اسی طرح کی شادی یہاں عجموں کی بھی ہوتی ہے لیکن بعض رسوم نہیں ہوتیں اور لباس وغذا میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اُن کے دسترخوان پر بشقاب میں عنبر بو[1] کا پھریرا پلاؤ۔ پیالوں میں قاورمہ سبزی رساگ میں قیمہ گوشت پکا ہوا) یا قاورمہ نخود (گوشت میں تھوڑی چنے کی دال پڑی ہوئی) اور روٹی ہوتی ہے۔ زنانے میں دولھن نہلا دُھلا کر آراستہ کی جاتی ہے۔ تیا عمدہ رنگین لباس گھومر دار لھنگا۔ کرتے پر نوکدار آستینوں کا چست شلوکہ اس پر نیمہ آستین۔ چار قد (مثلث دوہرا دوپٹہ) جو سر سے اوڑھا

---

[1] قسم عمدہ چاول کی ۱۲

جاتا۔ اور گلے میں صرف ایک اپین کے انگاؤر کا رہتا ہے یا پنچا کر اوپر سے ایک قیمتی سرخ رنگ دوپٹہ دولھن کے سر پر ڈال دیا جاتا ہے۔ عقد نکاح کے بعد دولھن دولھا کے گھر بھیجی جاتی ہے۔ باجا گاجا یا جلوس حسب ذیل ہوتا ہے۔

برات میں وہ معزز لوگ جو دولھا کی طرف سے آئے ہیں یعنی اس کے عزیز و احباب اپنے ہاتھوں میں روشنی کی مبی فنز (ایک قسم کی فانوس جو ایران میں بنتی ہے) لٹکائے دوہری قطار باندھکر آگے آگے چلتے ہیں۔ ان کے بعد زنانے غول کے بیچ میں دولھن چادر اوڑھے ہوئی ہے۔ جس کی پہچان وہی سرخ دوپٹہ ہے۔ جو اس کے سر پر چادر اوڑھنے کے بعد ڈال دیا گیا تھا۔ ایک عورت کے ہاتھ میں کسی قدر بڑا آئینہ ہے۔ جس کا رخ دولھن کی طرف رہتا ہے۔ دولھن نہائت آہستہ قدم اٹھاتی اور چند قدم چلکر رُکتی جاتی ہے۔ عورتیں بدستور قلی لی لی لی لی کا شور مچاتی چلتی ہیں۔ جو بڑی خوشی کی آواز ہے۔ اور اسی آواز سے گھروں میں پہچان لیا جاتا ہے۔ کہ برات جارہی ہے۔ مرد بھی بآواز بلند بد اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّد کہتے جاتے ہیں۔ برات اکثر ڈیڑھ پہر رات گئے روانہ ہوتی۔ اور بڑی دیر میں آہستہ آہستہ دولھا کے گھر تک پہنچتی ہے۔ ہر رکاؤ پر تقاضا ہوتا تب دولھن پھر چند قدم آہستہ اٹھاتی ہے۔ کوئی جلوس اُن دو قطار معزز فانوس برداروں کے سوا اور کوئی باجا اُن دو بے سُری آوازوں کے سوا نہیں ہوتا۔

خود دولھا بھی برات کے ساتھ نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ جب یہ تشریع برات اس محلہ میں پہونچتی ہے۔ جس میں دولھا کا مکان ہے۔ تب دولھن کا قدم تقاضہ پر بھی نہیں اُٹھتا۔ یہاں پر دیر تک برات ٹھہری رہتی ہے براتی مرد صلوات کا غل اور عورتیں قلی لی لی کا شور مچایا کرتی ہیں۔ یہاں تک سامنے سے چند آدمی

دولھا کو گھسیٹتے دھکیلتے لاتے دکھائی دیتے ہیں۔ جو مارے شرم کے پیچھے ہی ہٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن جب وہ براتیوں کے قریب پہونچتا ہے۔ جہاں سے دولھن کا سامنا ہے تو سلام کے لئے سر جھکا کر فوراً اپنے گھر کو چلا جاتا ہے۔

دولھا کے سلام کر جانے کے بعد دولھن آگے بڑھتی ہے۔ لیکن پہلے سے بھی آہستہ اور بدیر قدم اُٹھتا ہے۔ اور رُک جانے پر بڑی خوشامد کرانی ہے۔ بعض مرتبہ ذی مقدور دولھا کا باپ جو براتیوں میں ست۔ اپنی حسب حیثیت دولھن کو بخشش دیتا ہے۔ جس کی زبان سے نکلتے ہی ہر ایک براتی کو معلوم ہوجاتا ہے۔ کہ فلاں قطعہ باغ دولھن کو دیا گیا۔ قریب کی عورتیں دولھن کو مبارکباد دیتی ہیں۔ اور آگے بڑھنے کی التجا کرتی ہیں۔ وہ دو قدم چلکر پھر ٹھہر جاتی ہے۔ تھوڑی دیر میں سنا جاتا ہے۔ کہ خسر نے فلاں مکان دیدیا۔ پھر دولھن کہنے سُننے سے چلکر ٹھہر جاتی۔ اور بیچارہ خسر کو پھر کچھ دینا پڑتا ہے۔ اسی طرح سنتے چلے جاتے ہیں۔ کہ فلاں محلسرا فلاں قطعہ زمین وغیرہ اتنے طاقے کپڑے کے دولھن کو ملگئے اور پھر جب وہ چلنے میں کسر مسر کرتی ہے۔ تو بڈھا خسر خوشی میں آکر پوچھتا ہے۔ کہ اب کیا مانگتی ہے۔ کیوں نہیں چلتی۔ لوگ تھک گئے تھوڑی دیر میں صبح ہو جائے گی۔ تب عورتوں میں ایک چلبلی عورت پھر کوئی فرمایش کردیتی ہے۔ یا کہدیتی ہے۔ کہ عروس کنیز میخواہد۔ تب خسر صاحب باطناً خوش اور بظاہر متفکر ہو۔ لا الہ الا اللہ کہکر فرماتے ہیں "خوب فرخندہ ہم پیشکش"

یہ سنتے ہی کہدیا جاتا ہے۔ کہ فرخندہ لونڈی بھی مل گئی۔ بعد اس کے دولھا کیطرف سے بھی نقد وجنس پیشکش کیا جاتا ہے۔ غرض بڑی مشکل سے خدا خدا کرکے دولھن مکان میں داخل ہوتی ہے۔ اور واقعاً جو کچھ مال وجائداد راستہ بھر میں اُسے زبانی بخشتا گیا ہے۔ بغیر تحریر و اسٹامپ سب اسی کا سمجھا جاتا ہے۔ دولھن وہی

کپڑے پہنے ہوتی ہے۔ جو دولہا کے یہاں سے مہندی کے ساتھ آتے ہیں۔ برتن باسن۔ صندوق۔ پٹارے۔ پلنگ۔ تخت وغیرہ کوئی سامان وغیرہ دولھن کے ساتھ نہیں بھیجا جاتا ہے۔ شادی میں دولھا والوں کا زیادہ روپیہ صرف ہوتا ہے۔ اور دولھن والوں کا بہت کم۔ جیسا ہندوستان میں سست چلنے کو مثالاً جوں کی چال کہا جاتا ہے۔ ویسا ہی یہاں عروس کی چال کی مثل مشہور ہے۔

وضع حمل کی تکلیف اور تمام سخت امراض میں جبکہ علاج سے فائدہ نہیں ہوتا۔ تو بڑے زور شور سے دعا مانگی جاتی ہے۔ ایک عرب کو اجرت دیجاتی ہے۔ جو مینار پر جاکر بآواز بلند بیماری کا بیان کرکے لوگوں سے دعا کی التجا کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ اگر چالیس آدمی یہی دعا مانگیں گے۔ تو مریض اچھا ہو جائے گا۔ دعا کا زیادہ رواج یہاں اس لئے ہے۔ کہ مذہبی عقیدہ سے روضہ حضرت امام حسینؑ خصوصیت کے ساتھ اجابت دعا کے لئے مشہور ہے۔ منجملہ بہت سی دعاؤں کے یہ دو دعائیں ایسی ضروری ہیں۔ جو کہ ہر نماز وعظ۔ مجلس وغیرہ کے بعد بلکہ گھروں میں بھی ہر متنفس کی زبان سے سنائی دیتی ہیں۔

سرشام رویت ہلال کے لئے جابجا لوگوں کا جھرمٹ دیکھکر اور توپ کی آواز سنتے ہی یہ تم کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ جس عبادت والے مہینہ (رمضان) کی آمد میں تین دن پیشتر خوشگلو مؤذن نے مینار پر تہنیت کہی تھی۔ وہ اس وقت سے شروع ہو گیا۔ لیکن صبح کو جب باہر نکلو گے تو شہر بھر کا طرز ہی دوسرا دیکھو گے جو تم نے کل تک گرم بازاری وچہل پہل دیکھی تھی۔ آج کچھ بھی نہیں۔ نہ راستہ میں کوئی قہوہ خانہ کھلا ملیگا۔ نہ بازاروں میں یا کسی حمام کے قریب اُبلے ہوئے

شلغم کا پتیلا کمل میں لپٹا ہوا کھائی دیگا۔ نہ کوئی چائے فروش ہوگا۔ نہ کسی حلیم والے کی دوکان پر پے در پے گھنٹیاں بجنے یا گھی داغ کرکے بگھارنے کی جھنکار سنائی دے گی۔ نہ آب گوشت و دیزی کی دوکان ہوگی۔ نہ دارچینی چائے ثعلب یا شلغم زرد والا ملے گا۔ اگر دو ایک نیم وا دوکانیں روٹی والوں کی دیکھو گے تو ان میں بھی تھوڑی سی باسی روٹیاں اونگھتے ہوئے بڈھے یا لڑکے کے پاس رکھی ہونگی جس کی بکری محض مریض اور بچوں پر منحصر ہے۔ بجائے مختلف شور وغل کے جو کل تک بازار میں تھا۔ آج صرف ایک ہی ہلکی گنگناہٹ سنائی دے گی جو وظیفہ خوان راہگیروں کی جنبش لب سے سربند و مسقف بازاروں میں گونج رہی ہے۔ صحن و حرم مطہر حضرت امام حسینؑ و حضرت عباسؑ میں بھی سوائے قرآن خوانی و زیارت و وظائف کے اور کچھ نہ سنو گے۔ ظہر کی آذان ہوتے ہی حرم میں آدمیوں کی کثرت ہو جائے گی۔ نماز کے بعد قرآن خوانی میں ہر شخص مصروف ملے گا۔ قبروں کے حافظ و قاری کا خوش الحانی سے قراءت کرنا۔ خدام و طلبا۔ علما و فضلا اور بازاروں کے اکثر دوکانداروں تک کا تلاوت میں مشغول ہو جانا۔ لائق دید ہے۔

اس مہینہ میں روٹی اور کھانے کی دوکانیں تیسرے پہر سے کھلتی ہیں۔ اور رات بھر بازار رجار رہتا ہے۔ قہوہ خانے کھلے۔ حمام گرم۔ کھانے پینے کی دوکانیں آراستہ اور بہت لوگ حرم سید الشہدا اور حضرت عباسؑ میں مصروف نماز و تلاوت رہتے ہیں۔

اذان مغرب کے وقت روزہ کھولنے کے لئے توپ داغی جاتی ہے۔ لوگ نماز جماعت کے بعد گھر جاتے اور کھانا کھا کر پھر صحن حضرت میں واپس آتے ہیں۔ جہاں حاجی ملا باقر شیرازی یا ملا آقائے ترک کا مشہور وعظ سنتے ہیں۔

بڑا مجمع حاجی ملا باقر کے وعظ میں ہوتا ہے۔ جن کی آواز۔ فصاحت اور طرز تقریر نہائت مسلسل و مرغوب طبائع ہے۔ اور علاوہ ان کے جابجا دیگر ملا بھی ہمیشہ وعظ کہا کرتے ہیں۔ لیکن کوئی وعظ ایسا نہیں ہوتا جس کے آخر میں شہادت امام حسینؑ کا جوڑ نہ لگایا جائے۔ مقفاً خطبہ اور نام پیغمبر خدا (محمد مصطفیٰؐ) پر خوب چلا کر درود پڑھا جاتا ہے۔ حاضرین نصائح و احکام شرعیہ و مسائل اخلاق بڑی رغبت سے سنتے اور مصائب امام حسینؑ پر رونے کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ دو۔ ڈھائی یا تین گھنٹہ بعد ختم وعظ پر "یا اللہ" کا غل دور دور کی محلسراؤں میں بھی صدائے زنبور عسل کی طرح گونج کر عورتوں کو ان کے مالکوں کی آمد سے اطلاع دیتا ہے۔

آدھی رات کے بعد سے مناجاتیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اور تین مرتبہ توپ بھی دغتی ہے۔ پہلی توپ پر عورتیں اٹھکر کھانا پکانے کا بندوبست کرتی ہیں۔ دوسری توپ پر مردوں کو جگا کر کھانا کھلاتی ہیں۔ اور تیسری توپ پر کھانا بند کیا جاتا۔ اور جلدی جلدی حقہ پیا جاتا ہے لیکن گھر بھر کے کان مینار و مساجد کے مناجات کرنے والوں پر لگے رہتے ہیں۔ جو بمناسبت وقت بڑی بلند آواز سے دعا یا عربی و فارسی اشعار بے ثباتی دنیا کے پڑھتے ہیں۔ مثلاً کوئی خدا کی تعریف اور اس سے التجا کرتا ہے۔ کوئی صحیفہ کاملہ کی دعا پڑھتا ہے۔ کوئی عربی میں کہتا ہے۔ کہ کھاؤ پیو اور عبادت کرو۔ خدا کی قبول کرے۔ خدا ہمارے تمہارے اعمال و روزہ و نماز ہر سال کوئی قریب طلوع صبح کہتا ہے ؎

میدمد صبح شعادت نفسے شو بیدار ٭ وقت فیض است سر از بالش غفلت بردار ٭
مرغ و ماہی و ملائک ہمہ در تسبیح اند ٭ حیف باشد کہ تو در خوابی و مرغاں بیدار ٭

جیسا کھانے پینے کے شروع کرنے کو۔ چوں گوش روزہ دار برالله اکبر است مشہور ہے۔ ویسا ہی اس کے ترک کرنے کو لفظ "آب و تریاک" سننے کے لئے

کان کھڑے رہتے ہیں جو ہیں دور سے ہوا میں پتاتی ہوئی آواز آب و تریاک
کی سنائی دی۔ فوراً حقہ وغیرہ چھوڑ دیا گیا۔ اور ریانی پیکر یا افیمی لوگ افیم کھا کر روزہ
کی نیت کرنے لگے۔ مناجات والوں کی مکرر سہ کرر آب و تریاک یا اشربوا الماء
وعجل قبل ما یات للصباح + اشربوا الماء هنیئاً انہ ماء مباح کہنے کے بعد
تھوڑی دیر کے لئے عالم سکوت ہو جاتا ہے۔

اس مہینہ کی انیسویں تاریخ سے سارا شہر رونے پیٹنے میں مشغول ہو جاتا ہے
اور اکیسویں کو دن بھر بازاروں میں عرب و ایرانی سب کے سب ماتم کرنے میں
مصروف رہتے ہیں۔ اس لئے کہ یہ حضرت علیؑ کی شہادت کا دن ہے۔ جن کو ابن
ملجم لعین نے ایک عورت (قطامہ) کے کہنے سے صبح کو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے
شہید کیا تھا۔ یہ دن مسلمانوں کے لئے بڑے رنج و ماتم کا ہے مگر ہنگامہ محرم کی
برابری نہیں کرتا۔

یوں تو محرم کا چاند دیکھتے ہی دنیا بھر کے اہل اسلام میں جوش پیدا ہوتا ہے۔
لیکن یہاں کی کیفیت اور شہر بھر کی بیتابی دیکھنے کے لائق ہے۔ یہاں سارا شہر
عزاخانہ بنجاتا ہے۔ لوگ سیاہ پوش ہو کر شال[1] عزا گردن میں ڈالتے ہیں۔ جابجا
سبیلیں رکھی جاتی ہیں۔ شفاخانے آراستہ کئے جاتے ہیں۔ ضریح اقدس و گنبد
مطہر کو بھی سیاہ پوش کرتے ہیں۔ امام باڑے مجلس کے مقامات اور اکثر در و دیوار
سیاہ کپڑے سے منڈھ دیے جاتے جن پر خوشخط دردانگیز اشعار ملا محتشم کے چھپے
ہوتے ہیں۔ مثلاً ؎ بازاریں چہ شورش است کہ در خلق عالم است + بازاریں
چہ نوحہ و چہ عزا و چہ ماتم است + بازاریں چہ رستخیز عظیم است کز زمین + بے نفخ صور
خاستہ تا عرش اعظم است + الی آخر۔ یا کشتی شکست خوردہ طوفان کربلا + در خاک و

---

[1] شال عزا ایرانیوں کا قدیم دستور ہے۔ جب باپ یا سرپرست سردار مر جاتا ہے۔ تو فرد شال کی گردن میں ڈالتے ہیں جو غمی کی علامت ہے

خوں فتادہ بمیدان کربلا + آہ از دمی کہ لشکر اعدا نکردہ شرم + کردند رو بخیمۂ سلطان کربلا + از آب ہم مضائقہ کردند کوفیاں + خوش داشتند حرمت مہمان کربلا + ان دنوں عام وخاص اس غضب کے جوش وخروش میں ہوتے ہیں۔ کہ حاکم عرف (بڑی حکام) و حاکم شرع (مجتہدین) دونوں اس کے فرو کرنے میں مجبور ہوجاتے ہیں۔ علما ، اور بڑے بڑے نامی واعظ ہرچند ممبروں پر خودکشی کرنے اور اپنے تئیں ضرب شدید پہونچانے کی ممانعت کرتے ہیں۔ بہت کچھ سمجھاتے ہیں۔ مگر نزکوں پر کم اثر کرتا ہے۔ وہ اکثر روتے روتے سر پھوڑ لیتے یا چھرا وغیرہ اپنے سر پر مار لیتے ہیں۔ رات دن ماتم کا شور بلند رہتا ہے۔

جبنبے جی اگر عرصہ محشر دیکھنا ہو تو وسیع صحن حضرت امام حسینؑ کے در قبلہ کیطرف کوٹھے پر دسویں محرم کو پہر دن چڑھے جا بیٹھو اور تیز دھوپ وگرمی کی کچھ پرواہ نہ کرو کیونکہ آج کے دن کسی فصلی موسم سردی یا گرمی کی طرف خیال کرنے کا یہاں کسی کو ذرا بھی ہوش نہیں رہتا۔ تم کو سارا صحن آدمیوں سے بھرا ملے گا جس میں صرف دو بڑے علم نصب ہونگے۔ ان میں ایک شیرازی اور دوسرا اصفہانیوں کا ہے۔ اس مجمع کثیر میں ہر ایک گروہ علیحدہ علیحدہ سینہ و سر پٹیتا دکھائی دے گا۔

کئی غول عربوں کے ہونگے۔ جو اپنے کرتہ اور عبائیں کمر میں لپیٹے کود کود کر دونوں ہاتھوں سے ماتم کرتے ہونگے۔ اگر غور کروگے تو ہر ایک دستہ کے نوحہ کا ایک آدھ عربی شعر سمجھ لوگے کسی سے یہ آواز سنائی دے گی۔ فریاد یا محمدا محمدا فریاد یا محمداہ یا یہ کہ " الحسین بکر بلا مات + واویلاہا ویلا " کوئی یہ نوحہ پڑھتا ہوگا " قم من القبر خبرینا یا امیر المؤمنین + یا امیر المؤمنین یا امیر المؤمنین "

کابلی و بربری کے غول علیحدہ ماتم کرتے ہونگے۔ بربریوں کی ماتمی زنجیروں کی جھنکار کے ساتھ ہی حسین حسین کی آواز آتی ہوگی۔ اُن کی پیٹھ زنجیروں کی

ضرب سے سُرخ و مجروح ہو گی۔ ایک ٹکڑی پنجابیوں کی سوہنی ہو گی۔

ہندوستانی لکھنؤ اگروہ اپنے سونے چاندی کے علم اور بھاری چمکیلے ٹیکوں سے پہچان پڑے گا جو حسن وحسین حسین حسین شہید کربلا حسین کہتا ہو گا۔

شیرازی واصفہانیوں کا دستہ الگ الگ سر و سینہ کھولے بڑے زور شور سے ماتم میں مصروف ہو گا۔ جن سے حسب ذیل آواز آتی ہو گی۔ آہ حسین کشتہ شد۔ وائے حسین کشتہ شد۔ یا۔ ہذا حسین منی۔ لب تشنہ سر بریدند۔ در خاک وخون کشیدند۔ ہذا حسین منی۔ یا بحر طویل کے مسلسل و مقفیٰ نوحہ پر اس زور سے جلدی جلدی ماتم کیا جائے گا۔ کہ زمین ہلتی معلوم ہو گی۔

چہل چراغ کے چبوترہ پر (جہاں سے قبر حضرت کی سیاہ پوش ضریح صاف دکھائی دیتی ہے۔) ایک سر برہنہ گریبان چاک شخص کھڑا کہتا ہو گا۔ یا رسول اللہ ایں کشتہ فتادہ بہامون حسین تست + ویں صید دست و پازدہ درخون حسین تست + ایں غرقۂ محیط شہادت کہ روئے دشت + از موج خون او شدہ گلگون حسین تست + ایں خشک لب فتادہ ممنوع از فرات + کز خون او زمین شدہ جیحون حسین تست + اور بہت سے ماتمی لوگ کھڑے سر و پیشانی پیٹتے روتے ہونگے۔

قریب در قاضی الحاجات مسجد کے متصل ایک مہذب فرقہ بغیر کسی حرکت یا کودنے کے محض ماتم کرتا۔ اور یہ نوحہ پڑھتا ہو گا ؎ افسوس زجور و ستم شمر ستمگر + کافتادہ شہ تشنہ جگر با تن بے سر + یہ علم الٰہیات وغیرہ کے منتہی طلاب ہیں۔ جو بڑے ذی علم ہونے پر بھی پڑھنے میں مصروف رہتے۔ اور کوئی نہ کوئی نیا علم کسی عالم سے پڑھا ہی کرتے ہیں یہ طلاب شب کو بھی اسی مقام پر ماتم کرتے ہیں جس میں کبھی بعض علما و سفیر ایران بھی شامل ہو جایا کرتے ہیں۔

ایک گروہ کے ساتھ چند بلند بانس پر آہنی انگیٹھیوں میں بھوسا سلگتا خوب

دھواں دیتا ہوگا۔ اور ان کے ماتم کے ساتھ یہ آواز آتی ہوگی "دم بہ دم علی علی" یہ صوفی درویش و فقرا کا دستہ ہے بعض درویشوں کے ہاتھ میں بڑی بڑی شاخیں ہیں جن میں پھونکنے سے یا ہُو کی آواز دور تک گونجتی ہے۔ اندھے فقرا کا دستہ الگ ماتم کرتا ہے جن کے سر مٹی میں لتھڑے ہوئے ہیں۔ غرض مختلف نوحہ و ماتم کی آواز اور ہر طرف سے رونے کا شور بلند ہوگا۔ صحنچی۔ منڈیر اور کوٹھوں پر عربنین یا ابی یا ابی کہکر اپنا منہ پیٹتی ہونگی۔

اسی کہرام میں ایک طرف سے دہری قطار کفن پوشوں کی داخل ہوگی جن کے چھروں کی چمک آفتاب کی شعاع میں تمہاری نظر کو سب طرف سے فوراً ان کی طرف پھیر دے گی۔ ان کے ہیبت ناک لہجہ و صدائے "شاہ حسین وا حسین" سے تم خود سمجھ جاؤ گے کہ یہ ترکوں کا دستہ ہے۔ جو صرف کفن پہنے اور قمع (تلوار سے کسی قدر چھوٹا چھرا جس کے دونوں طرف تیز باڑھ ہوتی ہے) ہاتھ میں لئے سر سے پاؤں تک خون میں غرق ہوا ہے۔ ہر ایک کے دہنے ہاتھ میں قمع اور بایاں ہاتھ دوسرے کی کمر میں بینیز سے سے قدم اٹھاتے شاہ حسینؑ کہکر اپنے سر پر قمع مارتے چلے آتے ہیں۔ تمازت آفتاب سے خون ان کی پلکوں۔ داڑھی کفن پر بہتا اور جمتا جاتا ہے۔ آنکھیں بہت کم کھل سکتی ہیں۔ ان کی شکل نہیں پہچان پڑتی دولت عثمانیہ کے جنگی وردی پوش سپاہی ان کے سر اور قمع کے درمیان لاٹھی لئے رہتے ہیں۔ تاکہ قمع زور سے سر پر نہ پڑے۔ تاہم اس کی باڑھ خون بہا دینے کو کافی ہوتی ہے۔ اس ماتم میں اکثر ترک بیحال ہوکر گر جایا کرتے اور بہت سی لڑکھڑاتے ہوئے پورا دورہ ختم کرتے ہیں۔ اس جم غفیر میں صرف سلطان کے فوجی سپاہی سرخ ٹوپی و سیاہ وردی پہنے بندوقیں لئے چلتے پھرتے دکھائی دینگے جو بسبب انتظام کے رونے میں کسی کے ساتھی نہیں ہیں۔ آج کا سارا دن اسی بیتابانہ

حالت میں گذرے گا۔ ماتمی گروہ صحن حضرت امام حسینؑ سے ہوتا ہوا صحن حضرت عباسؑ میں جاتا اور وہاں سے روتا پیٹتا پھر یہاں آکر خیمہ گاہ میں جاتا ہے جو شہر کے باہر وہ مقام ہے۔ جہاں حضرت امام حسینؑ نے شروع ۶۱ھ ہجری میں پہونچکر اپنے خیمہ کھڑے کئے تھے جس کے ایک ہی ہفتہ بعد وہ واقعہ جانکاہ پیش آیا جس کا ماتم نہ صرف اسی شہر بلکہ کم وبیش تمام دنیا کے مسلمانوں میں کیا جاتا ہے۔

خیمہ گاہ کی زمین بہت پست ہے جس میں خیمہ دکجاوہ کی نقل اینٹ چونے سے پختہ بنائی گئی ہے۔ اس میں ایک چھوٹی سی کوٹھری کی نسبت کہا جاتا ہے۔ کہ اسی مقام پر امام زین العابدین بیمار بیہوش پڑے رہتے تھے۔ ایک مقام حضرت زینبؑ کے قیام کا ہے۔ اور ایک گوشۂ صحن کی کوٹھری حضرت قاسمؑ سے منسوب کی جاتی ہے۔ خیمہ گاہ کی پختہ عمارت کے نیچے ایک کنواں ہے جس میں اکثر قفل پڑا رہتا ہے۔ اور جب کوئی تبرکاً اس کا پانی لینا چاہے۔ تو خدام کھول دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب اہل حرم اور اطفال پر پیاس کی شدت ہوئی۔ تو امام کے حکم سے حضرت عباسؑ نے خیمہ کے اندر یہ کنواں کھودا تھا۔ دروازہ اور قریب کے چھوٹے

درختوں میں سیکڑوں ناڑہ تاگہ۔ اور چیتھڑے لوگوں نے منت مان کر باندھ دیئے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ کے بے انتہا صبر و استقلال نے دنیا بھر کو حیرت میں ڈالدیا اور مذہب اسلام کو خوب شہرت دی۔ یہ چھوٹا غیر آباد گاؤں "کربلا" باوجود بارہا کوشش بربادی کے ایک آباد شہر دکھائی دینے لگا جو ۱۲۵۹ھ ہجری کے سخت کشت وخون (جس میں بائیس ہزار آدمی مار ڈالے گئے تھے) کے بعد سے ابتک حالت امن میں ہے۔ اور جس کی آبادی کا تخمینہ لگانا۔ اس لئے دشوار ہے۔ کہ مثل مکہ معظمہ کے اس کے لئے کوئی خاص دن زائرین کے اجتماع کا مقرر نہیں ہے۔ اس میں اکثر ایران۔ ترکستان ہندوستان وغیرہ سے قافلے آتے اور جاتے رہتے ہیں۔ لیکن بلالحاظ آمد قافلہ کے

بھی پچھتر ہزار سے کم کی مستقل آبادی نہیں ہے۔
قافلہ کے علاوہ سال میں کئی مرتبہ دیہاتی عربوں کی بکثرت آمد ہوتی ہے۔ اور بغداد وغیرہ قریب کے شہروں سے بھی ہزاروں آدمی سمٹ آتے ہیں۔ ان دنوں سرائیں اور مکانات مملو ہو جاتے ہیں۔ کوٹھری یا تھوڑی سی جگہ بھی زیادہ کرایہ پر ملتی ہے۔
جب عربوں کی آمد شروع ہوتی ہے۔ تو شہر کے باہی سے اُن کے دوڑنے اور چلانے کی آواز آنے لگتی ہے۔ ان کی کودتی ہوئی دوڑ سے بازار کی زمین ہلتی معلوم ہوتی ہے۔ وہ غول کے غول چیختے دوڑتے ہوئے براہ راست حضرت امام حسینؑ کے روضہ میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کی عورتیں بھی دوڑنے اور آواز ملانے میں اُن کا ساتھ دیتی ہیں۔ چھوٹے بچے عورتوں کی جھولیوں میں پڑے رہتے ہیں۔ ان کے گیت کا کوئی فقرہ جو دوڑنے میں کہتی ہیں کبھی ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ لیکن جب وہ صحن سے بھی گذر کر رواق میں اس درتقریٔ پر پہونچتی ہیں جہاں سے حضرت امام حسینؑ کی ضریح دکھائی دیتی ہے۔ تو ان کا چیخنا بند اور دوڑنا کم ہو جاتا ہے۔ اور یہاں سے وہ یہ الفاظ کہتی ہوئی آگے بڑھتی ہیں۔ دخیل دخیل یا ابن الزہرآء دخیل جیسا بازاروں میں ان کی آواز سنکر لوگ راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ ویسا ہی یہاں بھی سامنے سے لوگ ہٹ جاتے اور ضریح تک پہونچنا ان کو ذرا بھی دشوار نہیں ہوتا ہے۔ وہ یا ابن الزہرا کہتی ہوئی ضریح سے جا لپٹتی اور بوسے لیکر جلدی جلدی اپنا تمام حال کہنا شروع کر دیتی ہیں مثلاً یا ابن الزہرا میرا لڑکا بیمار ہو گیا۔ یا ابن الزہرا بڑھی ماں نہیں اس کی۔ اس کو اکیلا چھوڑ آئی ہوں۔ یا ابن الزہرا میرے مکان پر کوئی نہیں ہے۔ یا ابن الزہرا میرا بھائی فلاں جھگڑے میں پھنس گیا۔ اسی طرح مرد و عورت اپنا دکھڑا رو کر اسی وقت باہر آ کے

بڑی آبرو اور عزت کا ہے۔ اور اس خدمت سے کسی کی شرافت اور اعزاز میں ذرا بھی فرق نہیں آتا۔

عربوں کے علاوہ وہ زوّار جو بڑے اشتیاق میں اپنے شہروں سے چلکر کجاوہ۔ محمل۔ یا تخت رواں میں بیٹھے یا گھوڑا۔ خچر اور گدہے پر لدے ہوئے آتے ہیں۔ وہ چار پانچ میل کے فاصلہ پر حضرت امام حسینؑ کا سنہری گنبد ستارہ کی طرح چمکتا دیکھکر فوراً اتر پڑتے اور رو رو کر سلام کرنے لگتے ہیں۔ آگے بڑھکر گو درخت خرما کی کثرت گنبد کو نظر سے اوجھل کر دیتی ہے۔ مگر پھر بھی بہت لوگ پیدل ہی چلنا گوارا کرتے ہیں اور جب پُل سعید پر پہونچتے ہیں۔ تو نہر فرات کو دیکھکر ان کا دل بھر آتا ہے۔ اور زار زار رونا شروع کر دیتے ہیں۔

یہاں کی زیارت اللّٰہُ اکبرُ کبیرًا وَالحمدُ للّٰہِ کثیرًا الیٰ آخرہٖ پڑھکر چوکھٹ چومنے کے بعد رواق میں داخل ہوتے ہیں۔ اور چند قدم آہستہ چلکر دوسرے دروازہ پر پہونچتے ہیں۔ جہاں پہلو بہ پہلو تین نقرئی منقش دروازہ ہیں۔ اور نواب ملکہ جہاں رئیسہ لکھنو کی دستخطی زیارت دو مطلا چوکھٹہ میں لگی ہے۔

یہ نقرئی ضریح خاقان مغفور فتح علی شاہ بادشاہ ایران کی بنوائی ہوئی ہے۔ اس کے اندر دوسری ضریح فولادی اور اس کے اندر بیچ میں چاندی کا تابوت ہے۔ جو نواب آصف الدولہ بہادر یا نواب سعادت علیخان بہادر والیاں لکھنو کا مرسلہ کہا جاتا ہے۔ ضریح کے اندر ہی حضرت کی پائینتی قبر حضرت علی اکبرؑ کی ہے۔ جو حضرت کے نوجوان فرزند تھے۔

یہاں حضرت علی اکبر کی زیارت پڑھکر جب تم قبلہ رُخ پھرو گے۔ تو ایک برنجی کٹہرا دیکھو گے۔ یہ گنج شہیدان ہے جس میں امام حسینؑ کے عزیز و اصحاب جو روز عاشورا شہید ہوئے تھے۔ سب دفن ہیں۔ یہاں پر سائر شہدا کی زیارت پڑھی

جاتی ہے۔ جس کا شروع اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَنْصَارَ اللّٰہِ وَ اَحِبَّائِہٖ اور ختم یَا لَیْتَنِیْ کُنْتُ مَعَکُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ہے۔ اس کے بعد پشت سر قبر کھڑے ہو کر یا بیٹھکر زیارتیں اور قرآن مجید پڑھا جاتا ہے۔ اسی مقام پر نہائت ہی خوشخط و جلی قدیم قلمی قرآن کی متعدد جلدیں رحلوں پر رکھی ہیں جن کا نفیس و طلائی خط دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ ہر شخص مجاز ہے کہ جس قرآن کو چاہے وہیں بیٹھکر پڑھنے لگے۔ یہاں بہت سے مقدس لوگ تلاوت قرآن میں مصروف ملتے ہیں۔ اور جناب شیخ زین العابدین مجتہد العصر بھی اسی مقام پر نماز جماعت پڑھاتے ہیں جب یہاں سے زائرین ضریح کے سرھانے پہونچتے ہیں۔ تو روبقبلہ کھڑے ہو کر دعا پڑھتے ہیں جس کا پہلا فقرہ یہ ہے لَا تَدَعْ لِیْ یَا رَبِّ فِیْ ھٰذَا الْمَکَانِ الْمُکَرَّمِ وَالْمَشْھَدِ الْمُعَظَّمِ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ یَا اَللّٰہُ۔ الی آخر۔ اسی مقام پر دیوار میں تین پتھر نصب ہیں جس میں عوام خاص کر بڈھوں کو اپنی کمر رگڑتے ہوئے دیکھوگے۔ کیونکہ اس پتھر کی قوت مثل کہربا کے درد کمر کو کھینچ لیتی ہے۔ علاوہ اعتقادی و مذہبی نظاروں کے اگر انسان کی دستکاری دیکھنا چاہو۔ تو یہاں کی مرتفع منقش زرنگار و خوشخط جلی کتیبۂ قرآنی لکھی ہوئی چھت و گنبد کی طرف دیکھو کہ کیسی خوبصورتی و کاریگری سے ہر ایک چیز بنائی گئی ہے۔ سرھانے کی طرف سے باہر آتے ہوئے رواق میں ایک برنجی ضریح ملتی ہے جس پر حبیب ابن بطاہر کی زیارت پڑھی جاتی ہے۔

بچوں کو زنانے کپڑے نہیں پہننا چاہیے

طبعزاد جناب مولوی محمد حسین صاحب مدیر رسالہ معلم نسواں

نہ پہنو ہرگز زنانے کپڑے جو عورتوں کے لئے ہیں زیبا — زنانہ پن ہے جو مرد پہنیں زری کا جامہ چکن کا کرتا
لباس قیمتی ہوا اور عمدہ مگر نہ مکڑی کا ہو وہ جالا — نہیں ہے زیبا کہ مرد پہنیں بہت ہی نازک چمکتا کپڑا
بدن سے معلق رہی ہمیشہ سفید باریک اودی صدری — اتارو اس وقت بھی نہ اسکو کہ جب ہو تن سے رواں پسینہ
محب اتاروگے تم یہ صدری تو ہوگی بیشک بڑی مضرت — رہیگا تن پر جو اونی کپڑا تو حفظ صحت کا میرا ذمہ

بچوں کو سوکر سویرے اٹھنا چاہیے

طبعزاد جناب مولوی محمد حسین صاحب مدیر رسالہ معلم نسواں

نو کے بجتے ہی سو رہو پڑ کر — خواب راحت سے اٹھو وقت سحر
جو کہ سوتے ہیں نصف شب کے بعد — وہ نہیں اٹھتے پانچ کے اندر
دیر سے سونا دیر سے اٹھنا — دونوں باتیں بری ہیں کچھ ہے خبر
عمر کرتا ہے کم مزاج خراب — جاگنا محفلوں میں یہ شب بھر
مول لیتے ہیں وام دیکے مرض — جاتے ہیں ناٹکوں میں جو اکثر

بچّوں کی مجلس

وقت۔ ہمّت۔ کوشش

بعض لڑکے کھیل کود میں اس درجہ مصروف رہتے ہیں۔ کہ تعلیم کا وقت اسی شغل میں صرف کر دیتے ہیں۔ اور اپنے قیمتی وقت کی قدر نہیں کرتے۔ وقت ایک بہتے ہوئے دریا کے موافق چپ چاپ چلا جاتا ہے۔ اور مثل کمان سے نکلے ہوئے تیر کے واپس نہیں آسکتا۔ لہٰذا وقت قابل قدر ہے۔ جو لڑکے وقت کو رایگاں کرتے ہیں۔ وہ ضرور ندامت اٹھاتے ہیں۔ پھر کفِ افسوس ملنے کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا۔ اور نتیجہ تعلیم میں ضرور ناکامیاب رہتے ہیں۔ یعنے امتحان میں فیل ہوتے ہیں۔ اُستاد اور ہم عُمر لڑکے نظرِ حقارت سے ان کو دیکھتے ہیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم غفلت سے کام لو اور اپنی ذات اور بزرگوں کے ملال کے بانی ہو۔ یہ بھی اندازہ کر سکتے ہو کہ تمہارے فیل ہونے کا تمہارے والدین کو کس درجہ ضرر ہوتا ہے۔ اُنکے جانی نقصان کو بھی سمجھ سکتے ہو۔ جو تعلیم میں صرف کرتے ہیں۔ وہ بیچارے بڑی کوشش اور جاں کاہی سے حاصل کرکے تم تک اس رقم کو پہنچاتے ہیں۔ جسے تم اُسے غفلت آزادی میں صرف کرتے ہو۔ نہایت افسوس کی بات ہے۔ کہ پھر بھی تم کوشش سے کام نہ لو۔ اور انکو تکلیف دو یہ تمہاری سعادتمندی سے بعید ہے۔ دیکھو تمہارے سامنے۔ ایک دہقانی لڑکے کی کوشش اور ہمت اور استقلال کا واقعہ جو اپنا چشم دید ہے ظاہر کرتا ہوں۔ مَیں اپنے ایک دوست سے ملنے جاتا تھا۔ اثنائے راہ میں دیکھا کہ

ایک لڑکا درخت پر چڑھا ہوا ہے مگر درخت بڑا ہے ۔ اُس درخت کے دو حصہ ہیں ۔ ایک حصہ پر لڑکا بیٹھا ہوا ۔ ایک چھوٹی کلہاڑی سے دُوسرے حصہ درخت کو کاٹ رہا ہے ۔ مَیں نے خیال کیا کہ یہ لڑکا اور یہ مختصر کلہاڑی اس حصہ درخت کو کیا کاٹ سکے گی ۔ مَیں اُس کی کوشش کو غور کرتا اپنے دوست کے یہاں چلا گیا ۔ واپسی میں دیکھا کہ وُہ حصہ درخت زمین پر پڑا ہوا ہے ۔ مَیں اُس کی ہمت اور کوشش سے نہائت خوش ہوا ۔ اسی طرح اگر تم بھی اُسی دہقانی لڑکے کی طرح ایک دن کا کام چند گھنٹوں میں نہیں کر سکتے ہو تو کیا ایک سال میں بھی نہیں کر سکتے نہیں نہیں تم استقلال سے کام لو ۔ دیکھو حق تعالےٰ فرماتا ہے ۔ جو شخص ہمت سے کام لیتا ہے ۔ میں اُس کی اعانت کرتا ہوں ۔

راقم اسرار حسن خاں ولد صفدر حسین خاں از مرزا گنج ملیح آباد ضلع لکھنؤ

خریدار بچوں کا اخبار

ایک حریص لومڑی

ایک دفعہ کا ذکر ہے ۔ کہ ایک لومڑی اپنے جھونپڑے میں بہت بھوک کے سبب سے دبلی ہو رہی تھی ۔ آخر کار وہ خوراک کی تلاش میں جنگل کو چلی ۔ چلتے چلتے اس نے ایک گوشت کا ٹکڑا پایا ۔ وہ اس کو دیکھکر بہت خوش ہوئی ۔ اور گھر کی راہ لی راستے میں اس نے ایک مرغوں کے گروہ کو دیکھا ۔ کہ بہت موٹے اور تازے ہیں ۔ جو کہ اپنی خوراک میں بہت مشغول تھے ۔ اور ایک آدمی جس کا نام "چالاک" تھا ۔ ان کی حفاظت کر رہا تھا ۔ اس لومڑی کا دل للچایا ۔ کہ ان میں سے ایک کو پکڑ لیجئے چنانچہ اس نے تاک لگانی شروع کی ۔ اتنے میں ایک اور لومڑی آئی ۔ اس نے لومڑی سے

کہا۔ کہ "بہن تم کس تاک میں لگی ہوئی ہو"۔ اس نے کہا۔ کہ "میں ان میں سے ایک کو پکڑنا چاہتی ہوں"۔ لومڑی نے جواب دیا۔ کہ میں بھی ان کی تاک میں لگی ہوئی تھی۔ لیکن "چالاک" ایسا ہوشیار آدمی ہے۔ کہ پاس پھٹکنا بھی ناممکن ہے۔ اس لئے میں نے یہ ارادہ فسخ کر دیا ہے۔ اتنا کہکر وہ لومڑی چلی گئی۔ لیکن لومڑی نے یہ ارادہ فسخ نہ کیا۔ برابر تاک لگائے بیٹھی رہی۔ پس اس نے اپنا گوشت کا ٹکڑا زمین پر رکھکر ان میں سے ایک کو پکڑنا چاہا۔ لیکن "چالاک" نے ایک نشانہ ایسا لگایا۔ کہ لومڑی کے بازو پر بیٹھا۔ پس لومڑی اپنی جان سلامت لیکر بھاگی۔ جب وہ اس جگہ پہنچی جہاں کہ گوشت کا ٹکڑا رکھکر آئی تھی۔ دیکھا کہ گوشت چیل لیکر اڑی جا رہی ہے۔ پس اس نے اپنا سر بے بسی کی حالت میں مارا۔ لیکن بے فائدہ تھا۔ اے برادران من دل میں خوب سوچ لو۔ کہ حرص بہت بڑی بلا ہے۔ جو ملے صبر سے اسپر گزارہ کرو۔

راقم محمد اعظم جماعت اول مڈل بی این پبلک مڈل سکول امرتسر۔ عمر ۱۴ سال

ننھے بچوں کا صفحہ

جو کس کون بلی کی گردن میں باندھے؟

نتیجہ طبع جناب عبدالحفیظ صاحب باعکظ

کسی گاؤں میں ایک بلی تھی رہتی　　کہ بیزار تھی جس سے چوہوں کی بستی

وہ تھی اس قدر تیز و چالاک و پُرشر　　کہ چوہوں کی تھی زندگی جس سے دوبھر

لگی گھٹنے جب دن بدن انکی گنتی　　تو مجلس جمع ہو کے اک منعقد کی

کریں مشورہ تا کہ رفع خطر کا　　رہے باقی جس سے نہ بلی کا کھٹکا
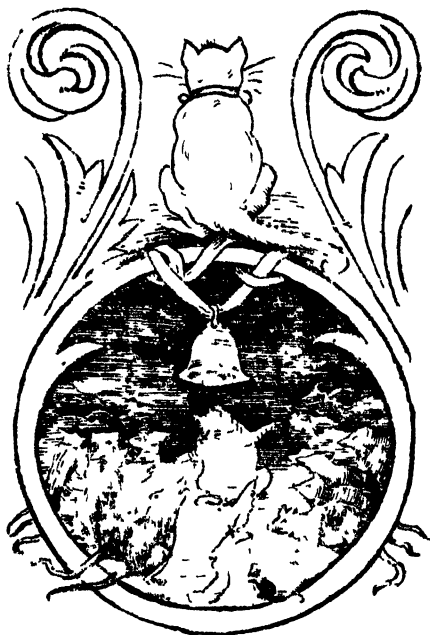
"جرس کون بلی کی گردن میں باندھے"

بہت سی ہوئیں پیش تجویزیں واں پر — مگر تھیں وہ سب حدِ امکاں سے باہر

اس اثنا میں اک نوجوان چوہا اٹھا — وہ یوں صدر سے با ادب ہو کے بولا

"کروں عرض میں کچھ اگر ہو اجازت" — کہا صدر نے "ہاں کہو جی ڈرو مت"

کہا "ہے یہ تدبیر معقول ایسی — یقیں ہے بہت اسکی تائید ہو گی"

"گلے میں گر اک گھنٹی بلی کے باندھیں — تو ہر ہر قدم پر ہم آواز سن لیں"

"تب اسطرح پا جائیں ہم اس کی آہٹ — تو اپنے بلوں میں گھسیں وہ بعجلت"

"اسی طور پر ہو گی یہ مشکل آساں — نہ پہنچا سکیگی وہ پھر کوئی نقصاں

یہ کہکر مُرک متانت سے بیٹھا — تو مجلس سے تحسین کا اک شور اٹھا
مگر ایک چوہا کہن سال و پر فن — ہنسا اور بولا کہ "ہاں مشفقِ من!
جو کچھ آپ فرماتے ہیں سو بجا ہے۔ — پہ نقص اس کی تکمیل میں اک ذرا ہے"
میرے مہرباں پہلے یہ آپ کہیے — جرس کون بلی کی گردن میں باندھے"
"فضول ایسی تجویز ہے پیش ہونی — کہ ممکن نہ ہو جس کی تعمیل کرنی
کہیں مدعی ہے گر اک بات کہتا — کہ ممکن نہیں ہے کبھی جس کا ہونا
مثل ایسے ہی حال پر ہیں یہ کہتے — "جرس کون بلی کی گردن میں باندھے؟"

مس ڈریو کی ایک آٹھ سالہ شاعر

جس لڑکے کی تصویر ذیل میں درج ہے۔ اس کی عمر اس وقت ٹھیک آٹھ سال کی ہے۔ یہ ایک مشہور رگوسے پروفیسر کا لڑکا ہے۔ ابھی الف بے بھی نہیں جانتا تھا۔ کہ موسیقی میں دلچسپی لینے لگا۔ اور جب پانچ برس کا ہو گیا۔ تو بغیر کسی کی اصلاح کے اس نے ایک نظم "لاری" لکھی جو بہت جلد انگلستان میں مشہور ہو گئی۔ چونکہ لکھنا نہیں جانتا تھا اس لئے کچھ عرصہ بعد اسنے محض اپنی یاد سے یہ نظم پیانو باجا کے ساتھ گائی۔ انگلستان کے سب چھوٹے بڑے اسکی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اور امید ظاہر کی گئی ہے کہ یہ ہونہار بروا کسی زمانہ میں خوب پھلے پھولیگا۔

مس ڈریو کی آٹھ سالہ شاعر

۸۰۱۵

پیسہ اخبار لاہور

جس میں ہر ہفتہ ولایت اور ہندوستان کے چیدہ سے چیدہ انگریزی اخبارات سے نادر اور دلچسپ مضامین ترجمہ ہو کر درج ہوا کرتے ہیں اور جس کو باقی تمام اردو اخبارات سے زیادہ سے زیادہ عمدہ اور تازہ خبر بہم پہنچانے کا فخر حاصل ہے۔
ہر ہفتہ کسی مشہور آدمی کی ایک پورے ورق کی تصویر مفت دیجاتی ہے
بوجہ اپنی نہایت ارزاں قیمت اور ہر دلعزیز پالیسی کے ہندوستان بھر کے

تمام اُردو اخبارات سے زیادہ چھپنے والا ہے

قیمت معہ محصول ڈاک فقط اڑھائی روپئے (عہ) پیشگی قیمت کی وصولی پر ایک نادر کتاب بھی ہر ایک خریدار کو مفت ملتی ہے ٭

المشتہر منیجر پیسہ اخبار لاہور

انتخاب لاجواب

یعنے دُنیا کے تمام نہایت دلچسپ اور مفید کتابوں - اخباروں اور تحریروں کا عطر مجموعہ جس میں ہزارہا ایسے قیمتی - علمی اور عملی مضامین دل بہلاؤ اور تعلیم کے لئے درج ہوتے ہیں کہ جو اور کسی ذریعے سے مل نہیں سکتے۔

ہندوستان میں کسی زبان میں اس قسم کی کوئی کتاب یا رسالہ آجتک نہیں چھپا

اُردو زبان میں بے نظیر نعمت

ناظرین میں کئی قسم کے انعام تقسیم ہوتے ہیں اور مضمون نگاروں کو معقول معاوضہ دیا جاتا ہے۔
ہفتہ وار اشاعت میں ۲۴ صفحے کلان قیمت مع محصول ڈاک چار روپے (للعہ) ٭

المشتہر منیجر پیسہ اخبار لاہور

قیمت سالانہ معہ محصول ڈاک دو روپیہ چھ آنے - قیمت فی پرچہ ۳ر
بچوں کا اخبار
نمبر ۲۲
بابت ماہ فروری ۱۹۰۴ء
مرتبہ منشی محبوب عالم
ایڈیٹر پیسہ اخبار
لاہور
کارخانہ پیسہ اخبار کے نمبر دوم للتعلیم سٹیم پریس لاہور میں منشی محمد عبدالعزیز مینیجر کے اہتمام سے طبع ہو کر شائع

بچوں کا اخبار

حیوانات چرند پرند کے حالات کا سلسلہ

۱۶- سیل یا دریائی بچھڑا

دریائی بچھڑا جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ ایک آبی حیوان ہے۔ اسکا گذارہ مچھلی پر ہے۔ بڑے بڑے دریاؤں اور سمندروں کے کناروں پر اکثر پایا جاتا ہے۔ برطانیہ کلان اور اضلاع متحدہ امریکہ میں اس کا شکار شوق سے کھیلا جاتا ہے۔ اسکی سمور نہایت قیمتی ہوتی ہے۔ اِسکے جسم سے ایک قسم کا صاف اور بے بُو تیل نکالا جاتا ہے یہ بڑا خوبصورت حیوان ہے۔ اور اسکے متعلق کئی قسم کی دلچسپ کہانیاں مشہور ہیں+

حیوانات پرند کے حالات کا سلسلہ

۱۶ - پہاڑی مُرغ

جیسا کہ اِس کے نام سے ظاہر ہے۔ یہ پہاڑ کی چٹانوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کے پر و بال کا زیادہ حصّہ سُرخ ہے۔ سر پر ایک کلغی ہے۔ جو قد کے لحاظ سے بہت بڑی ہے۔ رنگت شوخ اور چمکیلی ہوتی ہے۔ اِسی کلغی اور رنگت کی چمکاہٹ کے سبب لوگ اِسے خوبصورت جانور مانتے ہیں۔ مگر چمگادڑ کی طرح یہ مُرغ صبح کو بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ جب رات پڑتی ہے۔ تو خوراک کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے +

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

پروفیسر آرمینس ویمبری

یہ نامور عالم جو آج کل بوڈاپسٹ دارالخلافہ ہنگری کی یونیورسٹی میں علوم مشرقی کا پروفیسر ہے اور جس نے کئی یورپین اور مشرقی زبانیں سیکھ کر یورپی اور ایشیائی ملکوں کی سیر و سیاحت کی ہے۔ یہ ابتدا میں نہایت مفلس اور محتاج تھا۔ اس کی ہمیشہ رنگ بدلنے والی زندگی سے ہمیں کئی مفید سبق حاصل ہوتے ہیں اس نے زبان شیریں ملک گیری کے مقولہ کی صداقت کو عملی طور سے ثابت کر دیا ہے۔ مصیبتوں اور تکلیفوں کے وقت صبر اور استقلال کا وہ ایک اعلےٰ نمونہ رہا ہے سخت ترین آفتوں کا اس نے جرأت اور دلیری سے مقابلہ کیا ہے کئی مقامات پر اس کی جان کے لالے پڑ گئے مگر اس نے اپنی عقل خداداد سے ہمیشہ نجات پائی ذیل میں اس اولوالعزم شخص کے عہد طفلی کے حالات درج کئے جاتے ہیں جن میں وہ ہمیں بتلاتا ہے۔ کہ جب اُسے بھوک لگتی تھی۔ تو وہ کس ڈھنگ سے اُسے فرو کرتا تھا بہت مدت تک وہ سوکھی روٹی اور ایک پیالہ پانی پر گزارہ کرتا رہا۔ اور لوگوں کے پھٹے پرانے اترے ہوئے کپڑے پہنتا رہا ہے۔ مگر آفرین ہے اس شخص کی ہمت پر کہ باوجود بیشمار رکاوٹوں فاقہ کشیوں اور مصیبتوں کے بھی اس نے اپنے ارادوں میں کامیابی حاصل کی۔ ویمبری صاحب کا دلچسپ سفرنامہ جو کارخانہ پیسہ اخبار میں اردو زبان میں چھاپا گیا ہے۔ ذیل میں اس میں سے ویمبری صاحب کے اپنے ہاتھ سے اپنی نسبت لکھے ہوئے حالات درج کئے جاتے ہیں۔

میرے والد بزرگوار نے خدا انہیں غریق رحمت کرے ۱۸۳۲ء میں انتقال کیا۔ اس وقت میں چند ماہ کا تھا میری والدہ ماجدہ بہت غریب اور نہایت ہی مفلس تھیں۔ انہوں نے اس خیال سے کہ شاید دوبارہ شادی کرنے سے یتیم بچوں کی پرورش ہوجائے پھر شادی کرلی لیکن افسوس ہے۔ ان کی امید پوری نہ ہوئی ہمارا سوتیلا باپ بہت اچھا آدمی تھا لیکن اس نے بھی ہمارے لئے کچھ نہ کیا۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد میرے اور بھائی بہنیں آگئیں۔ اور خرچ اور بھی زیادہ پڑھ گیا۔ آمدنی کم تھی اور خرچ زیادہ تھا۔ اس لئے ہمارے والدین نے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہ دیکھا کہ ہم میں جو بڑے تھے وہ اپنی روٹی آپ کمائیں اور چھوٹوں کی پرورش کریں۔

جب میں بارہ سال کا ہوا۔ تو مجھے بھی یہ کہا گیا۔ کہ میاں اب تم جوان ہوئے اب کچھ فکر معاش کرو میں اور سب طرح سے تندرست اور طاقت ور لڑکا تھا۔ لیکن لنگڑا کر چلا کرتا تھا۔ اور لاٹھی کی امداد کے بغیر چل ہی نہیں سکتا تھا جس وقت اماں جان نے کہا۔ کہ اب تم جوان ہوئے کچھ کماؤ۔ اس وقت بھی میں لاٹھی کے بغیر نہیں چل سکتا تھا۔ لیکن چونکہ ابتدا سے مجھے بھوک اور جاڑا برداشت کرنے کی عادت تھی۔ اس لئے جفاکش ہوگیا تھا۔ اور ہر طرح کی زحمت برداشت کرسکتا تھا۔

ان ایام میں ہمارا کنبہ ہنگری[1] میں رہتا تھا۔ اور نو سال کی عمر میں میں نے مدرسہ جانا شروع کیا تھا۔ اس وقت میری عمر بارہ سال کی تھی۔ اس تین سال کے عرصہ میں میرے معلم اور اتالیق میرا حافظہ دیکھکر حیران ہو گئے۔ اور اکثر میری صفت وثنا کیا کرتے تھے۔ میری یادداشت کا یہ عالم تھا۔ کہ لاطینی زبان کے ادق فقرے جن کو میں سمجھ بھی نہ سکتا تھا۔ طوطے کی طرح مجھے یاد ہوجاتے تھے۔ میرا خیال یہ تھا۔ کہ میں یا تو طبیب بنونگا یا وکیل۔ کیونکہ اس علاقہ میں ان دونوں پیشوں سے بڑھکر اور کوئی پیشہ معزز اور مقتدر نہ تھا

[1] علاقہ ہنگری آجکل سلطنت آسٹریا کا حصہ ہے۔ (مترجم)

میری والدہ ماجدہ کو بھی امید تھی۔ کہ میں ہونہار نکلوں گا۔ مگر افسوس افلاس نے ان کی تمام امیدوں پر بجلی گرا دی۔ کہاں کی طبابت۔ اور کیسی وکالت۔ مجھے ایک درزی کا شاگرد بنایا گیا۔ جس وقت مجھے اس قدر خیاطی آگئی۔ کہ میں نے دو ٹکڑے ململ کے جوڑ لئے۔ تو ایک دن میرے دل میں خیال آیا۔ کہ یہ پیشہ میرے لائق نہیں کسی اور جگہ قسمت آزمائی کرنی چاہیئے۔ چنانچہ میں گاؤں کے بھٹیارے کے اکلوتے بیٹے کا معلم مقرر ہوا۔ میں اپنے شاگرد کو انگریزی اور علم ہندسہ پڑھایا کرتا تھا۔ سچ پوچھو تو الف بے تے ہی میں نے شروع کرائی۔ مگر اس پڑھانے کے علاوہ میرا کام اور

پروفیسر آرمینس ویمبری

بھی کچھ تھا۔ اور وہ یہ تھا۔ کہ شنبہ کی رات کو میں تمام کنبہ کی جوتیاں صاف کیا کرتا تھا۔ اور ان پر سیاہی لگاتا تھا۔ اور کبھی کبھی پیاسے مسافروں کی خدمت میں حاضر رہ کر ان کو شراب پلایا کرتا تھا۔

واقعی میری عمر اس وقت بہت چھوٹی تھی۔ قطع نظر اس کے مجھ پر یہ مثل

صادق آئی تھی سع
"کو خویشتن گم است کرا رہبری کند"

اس وقت مجھے خود تعلیم و تربیت کی بہت ضرورت تھی۔ بھلا میں معلمی کیا کر سکتا تھا۔ اس لئے میرے شاگرد کا والد بھی مجھ سے ایسا ہی سلوک کرتا تھا۔ کہ جو شاذ ہی کسی معلم کو آج تک نصیب ہوا ہو۔

لیکن بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ نکلے میرے شاگرد صاحب اپنے باپ سے بھی بڑھکر تھے۔ وہ مجھ سے دو سال بڑے تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ اپنے معلمی کے جوش میں میں نے اس کو کسی قصور پر سرزنش کی۔ مگر اُسے یہ بات برداشت کرنے کی ہمت کہاں تھی۔ وہ بھی جوش میں آگیا۔ بھلے کو اس کا والد آگیا۔ ورنہ اس نے مجھے توم کر دہر دیا ہوتا۔

میری معلمی کا زمانہ میرے لئے سخت تکلیف کا زمانہ تھا۔ مگر قہر درویش برجان درویش میں کیا کر سکتا تھا۔ مفلسی میرے لئے سد سکندری تھی۔ ناچار مجھے یہاں ٹھہرنا پڑا اور جب میرے پاس اٹھارہ فلارن جمع ہو گئے۔ تو میں سینٹ جارج کے ورزشی مدرسہ میں جو پرس برگ کے قریب وجوار میں تھا تعلیم پانے چلا گیا۔

اس جگہ اس رقم سے جو میرے پاس تھی۔ میں نے بمشکل پڑھائی کی کتابیں خریدیں مگر یہاں کے رحمدل لوگوں نے میری مدد کی۔ اور میں مدرسہ میں داخل ہو گیا۔ رات کا کھانا مجھے سات مختلف کنبے ہفتہ میں دیا کرتے تھے۔ یعنی ہر روز میں ایک کنبے کے ہاں رات کا کھانا کھاتا تھا۔ اور جب کھانا کھا چکتا تھا۔ تو وہ مجھے ایک روٹی صبح کے ناشتہ کے لئے دے دیتے تھے۔ اس مدرسہ میں جو امیر طالبعلم تھے۔ ان کے اتارے ہوئے کپڑے بھی مجھے مل جاتے تھے۔ اس طرح میرا گذارہ چل جاتا تھا میں دن رات محنت میں مشغول رہتا تھا۔ کچھ تو میں محنتی اور پھر ذہین بھی تھا۔ اس لئے جب امتحان ہوا تو میں تمام

جماعت میں دوم رہا۔ میں بہت جلد لاطینی زبان فصاحت کے ساتھ بولنے لگا۔ جبکہ
پروفیسروں نے جب یہ نمایاں قابلیت دیکھی تو مجھ پر مہربانی کرنے لگے۔ اور ان کی
مہربانی میرے حق میں تریاق ثابت ہوئی۔

اس مدرسہ میں میں نے لاطینی جماعت کا دوسرا امتحان بھی کامیابی کے ساتھ
پاس کیا۔ لیکن میری طبیعت میں قرار نہ تھا۔ مجھ سے ایک جگہ بیٹھا نہیں جاتا تھا۔ اس
لئے میرے دل نے یہ چاہا کہ پرس برگ کے اعلیٰ مدرسہ میں چل کر تعلیم پانی چاہیئے۔
سینٹ جارج میں مجھے ضروریات روزمرہ کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ مگر میں نے ان سب کو
چھوڑا اور چودہ سال کی عمر میں پرس برگ کے شہر میں داخل ہوا۔

یہاں آکر مجھے معلوم ہوا۔ کہ ازسرنو مجھے تلاش معاش کرنی پڑے گی۔ اور یہ بھی
مجھے معلوم ہوا۔ کہ بڑے بڑے اونچے محلوں والوں کی ملاقات آسان بات نہیں ہے۔
غرض جس قدر مجھے یہاں اُمید تھی۔ اسی قدر مایوسی ہوئی میں تین سال یہاں رہا لیکن اس
تین سال کے عرصہ میں جو جو تکلیفیں میں نے اٹھائیں وہ میرا ہی دل جانتا ہے۔
اس تین سال کے عرصہ میں میرا یہ کام تھا۔ کہ میں باورچنوں کو لوگوں کے خدمتگاروں
اور دوسرے لوگوں کو جو پڑھنا چاہتے تھے۔ پڑھا کر اپنا گذارہ کرتا تھا۔ یہ شہر دریائے
ڈینوب پر واقع ہے۔ اس کی گلیوں میں پتھر کا فرش ہے لیکن اگر ہر ایک پتھر کے
منہ میں زبان ہو تو وہ بتا سکتا تھا۔ کہ میں نے کس قدر مصیبتیں جھیلیں۔ اور کس قدر
آنسو ان پر بہائے۔ سچ ہے۔ میں نے بہت تکلیف اٹھائی لیکن اے جوانی تو
ہر ایک تکلیف اٹھا سکتی ہے۔ تو تمام مصیبتیں باسانی برداشت کر سکتی ہے۔

ہمت کے آگے فتح نزدیک ہے افلاس اور زحمت فاقہ کشی سے میرے ارادوں
میں فرق نہ آیا۔ میں نے دامنِ استقلال ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اور اپنی پڑھائی میں
لگا رہا۔ اور جب پہلا امتحان ہوا تو میں اس سکول کے بڑے لائق طالب علموں میں

شمار ہونے لگا۔ جب کبھی مجھے یہ زمانہ یاد آتا ہے۔ تو مجھے تعجب ہوتا ہے۔ کیونکہ باوجودیکہ مجھے ہر طرح کی تکلیف تھی۔ مگر میں ہر وقت خوش رہتا تھا۔ اور اس مصیبت کا مقابلہ بخندہ پیشانی کرتا تھا۔ میری صحت بھی معمول سے بڑھکر اچھی تھی۔ اس لئے مجھے لڑائی میں جو ناداری کے ساتھ مجھے لڑنی پڑتی تھی۔ اکثر فتح نصیب ہوتی تھی۔ مجھے پانی اور روٹی کے سوا اور کوئی غذا نصیب نہ ہوتی تھی۔ مگر اس غذا پر میرا رنگ کندن کی طرح دمکتا تھا۔ اور اپنے مدرسہ میں میں تمسخر اور شرارت کی روح رواں تھا۔ میری جیب میں تو کوڑی نہ ہوتی تھی۔ لیکن جب مدرسہ بند ہوتا تھا۔ تو میں پا پیادہ لکڑی لیکر نکل کھڑا ہوتا تھا۔ اور جدہر دل گواہی دیتا تھا۔ لنگڑاتا ہوا چلا جاتا تھا۔ اس طرح پر میں نے وائمنا۔ پریگ اور آسٹریا کے دوسرے شہروں کی سیر کی۔ میرا قاعدہ تھا۔ کہ جب کبھی میں چلتا چلتا تھک جاتا تھا۔ تو راہ میں گاڑیبانوں کے ساتھ جو اتفاقیہ مل جاتے تھے۔ جان بوجھکر اس قسم کی گفتگو چھیڑ دیتا تھا۔ کہ وہ خوش ہو جاتے تھے۔ اور اکثر مجھے اپنے پاس گاڑی پر بٹھا لیتے تھے۔

سفر میں رات کے وقت میں پادریوں اور راہبوں کے ہاں شب باش ہوا کرتا تھا۔ جو لاطینی زبان میں میری گفتگو سن کر اس قدر خوش ہوتے تھے۔ کہ اکثر چلنے کے وقت مجھے کچھ نقدی بھی دیا کرتے تھے۔ اور اپنے خدمتگاروں کے ساتھ میں دوسرے دن کے لئے روٹی رکھدیا کرتے تھے۔ میری شیریں کلامی خواہ مخواہ مجھے زاد راہ مہیا کر دیتی تھی۔ سچ ہے۔ شائستگی اور شیریں زبانی ایسا سکہ ہے۔ جو ہر ایک ملک میں رائج ہے۔ سچ ہے۔ اس کو بوڑھے جوان اور بچے سب ہی پسند کرتے ہیں۔ جس کے پاس شیریں کلامی ہے۔ اس کی تھیلی خواہ وہ کتنا ہی مفلس ہو ہر وقت بھری رہتی ہے۔ ہاں سچ ہے۔ زبان شیریں ملک گیری۔ زبان بڑی ملک بانکا۔

یہ سیر اس دشت نوردی کی تیاری کے لئے ایک مدرسہ تھا۔ جو میری قسمت

میں بعد ازاں لکھی ہوئی تھی۔ میں سیر کا اس قدر شائق تھا۔ کہ جب تعطیلوں کے بعد میں واپس آتا تھا۔ تو ہمیشہ ٹھنڈی سانسیں بھرا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے بچپن سے شہر کی رہائش سے سخت نفرت تھی۔ اور گاؤں میں رہنا پسند کرتا تھا اس کی وجہ شائد یہی ہو۔ کہ شہر میں مجھے اپنی روٹی کمانے میں بہت دِقت ہوئی تھی۔ جب میں تعطیلوں کے اختتام پر شہر میں واپس آتا تھا۔ تو اونچے اونچے مکانات دیکھکر میرا دم گھبراتا تھا۔ اور صرف یہ خیال کر پھر جب تعطیلیں آئینگی۔ تو سیر کے لئے باہر جاؤں گا۔ مجھے اس قابل کرتا تھا۔ کہ میں چند دن یہاں گذار لیتا تھا۔

۱۸۴۷ء میں علاوہ سکول کی پڑھائی کے میں اپنے طور پر بھی مطالعہ کیا کرتا تھا میں ہمیشہ سفر نامے نہائت شوق اور ذوق سے پڑھا کرتا تھا۔ اور میں نے فرانسیسی زبان بھی سیکھنی شروع کر دی تھی ہنگری کی زبان میری مادری زبان تھی۔ اور جرمن زبان میں نے بچپن میں ہی سیکھ لی تھی۔ انہیں ایام میں میں سیکلوئیں پر بھی حاوی ہو گیا۔ سکول میں لاطینی اور یونانی زبانیں پڑھائی جاتی تھیں۔ اس لئے میں نے یورپ کی بڑی بڑی زبانیں بہت جلد سیکھ لیں۔ اور کئی زبانوں کے سیکھنے سے ان کے محاورات مجھے بہ آسانی آ گئے۔

مجھے کسی چیز کو حفظ کرنے میں بہت خوشی حاصل ہوتی تھی۔ بچوں کی بھی عجیب عادتیں ہوتی ہیں۔ جب میں نے اس مشق کو دس لفظوں سے لے کر سو لفظوں تک پہونچا دیا تو مجھے کمال خوشی ہوئی۔ پہلے میں ہر روز دس لفظ یاد کیا کرتا تھا پھر ساٹھ تک نوبت پہنچ گئی۔ اور رفتہ رفتہ سو نئے الفاظ ہر روز یاد کرنے لگا۔ اللہ کی شان مجھے اس وقت مطلق خبر نہ تھی۔ کہ یہ بات جس پر مجھے ناز ہے۔ آئندہ میرے بڑے کام آئے گی۔

جب میں فرنچ سیکھ چکا تو میں نے اپنے طور پر لاطینی زبان کی دوسری شاخیں

سیکھنی شروع کیں۔ اسی طرح میں نے جرمنی کی مروجہ زبانیں سیکھیں۔ پھر میں نے انگریزی شروع کی۔ اور جب میں انگریزی سیکھ گیا۔ تو میں نے ڈنمارک اور سویڈن کی زبانوں کو بھی نہ چھوڑا۔ میرا دستور تھا۔ کہ میں کتاب بلند آواز سے پڑھا کرتا تھا۔ اور جو زبان سیکھا کرتا تھا۔ اُس میں اپنے ساتھ بلند آواز سے خود بخود گفتگو کیا کرتا تھا۔ غرض تھوڑے سے عرصہ میں مجھے ان مختلف زبانوں میں اس قدر ملکہ حاصل ہوگیا۔ کہ مجھے اپنی قابلیت پر خود تعجب ہوا۔ بلکہ جوش جوانی میں اپنے آپ کو ایک محقق عظیم سمجھنے لگا۔

مشیخت بسا اوقات ترقی کے لئے سدراہ ہو جاتی ہے۔ لیکن بعض اوقات نہائت فائدہ مند ہوتی ہے۔ مجھے اپنی قابلیت پر اس قدر ناز ہوا کہ میں نے مدرسہ کی مروجہ طرز تعلیم کو چھوڑ کر اپنے طور پر مطالعہ شروع کیا۔ شائد میرے پیارے ناظرین پوچھیں۔ کہ اس تعلیم کا مدعا کیا تھا؟ مگر میں سچ کہتا ہوں۔ کہ مجھے خود معلوم نہ تھا۔ میرا اصول یہ تھا۔ کہ کوئی دن خالی نہ جائے۔ میں آٹھ یا دس گھنٹہ روز پڑھانے میں صرف کرتا تھا۔ اور باقی وقت مطالعہ میں خرچ کیا کرتا تھا۔

جب میں نے مختلف زبانیں خاطر خواہ سیکھ لیں تو پھر مجھے علم زبان کی طرف رغبت ہوئی۔ اور میں نے یورپ کے تمام زمانہ حال و گذشتہ کے مشہور فاضل مصنفوں اور شعرا کی کتابیں پڑھیں۔ فرصت کا وقت میں انہیں کتابوں میں صرف کیا کرتا تھا۔ میں ہمیشہ بلند آواز سے پڑھا کرتا تھا۔ اور جب کوئی فقرہ مجھے اچھا معلوم ہوتا تھا۔ تو حاشیہ پر اس کی نسبت اپنے خیالات لکھ لیا کرتا تھا۔

میں بیان کر چکا ہوں۔ کہ میں کتاب بلند آواز سے پڑھا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ میری ایک اور عادت بھی تھی۔ اور وہ یہ تھی۔ کہ میں ہاتھ سے مناسب حرکات بھی کرتا تھا۔ اور حسب خیالات خود منھ بناتا تھا۔ اور لفظوں پر زور دیا کرتا تھا۔ میری ان حرکات کو دیکھکر لوگ سمجھنے لگے۔ کہ میرے دماغ میں خلل ہے۔ ایک موقعہ پر تو ان کو میری دیوانگی کا اس قدر

یقین ہوگیا۔ کہ انہوں نے مدرسہ سے مجھے موقوف کردیا۔ مگر مجھے اس موقوفی کی کیا پرواہ تھی۔ جبکہ میرے دل میں اور دماغ میں عمدہ عمدہ کتابوں کے خیالات بھرے ہوئے تھے۔ عیسوی تکلیفیں جو اس کو یوروشلم میں پیش آئیں۔ لڑکی جوانمردیاں اور بائرن کے بہادر مرد اور بہادر عورتیں میری آنکھوں کے سامنے پھر رہے تھے؛ ان سب سے بڑھکر مجھے ایشیائی ملکوں میں رہنے اور وہاں کے فوق البھڑک اور مکلل بجواہر لباس پہننے کا بڑا شوق تھا۔ گو اس بات کا مجھے شان و گمان تک نہ تھا کہ مجھے ایشیا میں جانا ہے۔ اس شوق کی ایک وجہ بھی تھی۔ اور وہ یہ تھی۔ کہ میں بچپن میں الف لیلہ کی کہانیاں پڑھا کرتا تھا۔ اور پیدائش اور تعلیم کے خیال سے نیم ایشیائی میں پہلے سے ہی تھا۔

میرا یہ خیال تھا۔ کہ براعظم ایشیا میں انسان بہت کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ اور فوق العادت نظارے دیکھ سکتا ہے۔ اور چونکہ بچپن سے مجھے مصیبت جھیلنے کی عادت پڑ گئی تھی۔ مجھے یقین تھا۔ کہ ایشیا میں خوش قسمتی میری بلائیں لے گی۔ اور پیار سے مجھے گود میں اٹھالے گی۔

ایشیائی ملکوں کی سیر و سیاحت کے ارادے کو پورا کرنے کے لئے پہلے میں نے ایشیائی زبانیں سیکھنی چاہیں۔ اور سب سے پہلے ترکی زبان شروع کی۔ ترکی زبان چونکہ یورپ کی بعض زبانوں سے ملتی جلتی ہے۔ اس لئے اس کے سیکھنے میں مجھے چنداں وقت نہ ہوئی لیکن اس کے لکھنے میں مجھے پہلے مشکلیں پیش آئیں۔ تمام دن میں چھڑی لیکر ریت پر حرف لکھتا رہتا تھا۔ آخر کار بڑی دقت کے بعد مجھے یہ حرف لکھنے آگئے۔ حروف کا لکھنا ہی بہت مشکل تھا۔ جب یہ آگئے تو میں نے بہت جلد ترقی کرنی شروع کی مجھے ترکی زبان کی لغات کی بہت ضرورت تھی لیکن لغات کی قیمت چالیس فلارن تھی۔ اور اس قیمت پر کوئی کتاب خریدنے کی مجھ میں استطاعت نہ تھی۔ ناچار میں نے پہلی کتاب کا لفظی ترجمہ خریدا۔ لیکن بعد مدت مجھے معلوم ہوا کہ یہ غلط چال ہے۔ اس لئے پھر میں نے ازسرنو کتاب

شروع کی۔ اس طرح پر کئی بار مجھے ناکامیاں ہوئیں۔ مگر جب استقلال کے ساتھ عالم شباب بھی ہو تو کوئی چیز سدراہ نہیں ہو سکتی۔

بیس سال کی عمر میں میری محنت ٹھکانے لگی۔ اور میں نے اس قدر استعداد بہم پہنچالی کہ لغات کی مدد کے بغیر میں نے ایک چھوٹی سی ترکی نظم پڑھی اور سمجھ لی۔ اس نظم کے مضمون سے مجھے چنداں خوشی حاصل نہ ہوئی۔ لیکن اس کامیابی نے میرا حوصلہ اس قدر بڑھایا کہ مشرقی علوم سیکھنے کا آگے سے دوچند زیادہ شوق ہو گیا۔ میری روح مشرق میں ہر روز سیر کیا کرتی تھی۔ اس لئے ایک نہ ایک دن میرے جسم کو بھی وہاں ضرور جانا تھا۔ میری حالت کی طرف دیکھئے ابھی تک یورپ میں مجھے روٹی کمانے کے لئے از حد کوشش کرنی پڑتی تھی۔ میرے پاس تین کانے بھی نہ تھے۔ اور اس حالت میں مجھے مشرقی ملکوں کی سیر کا شوق چرایا تھا۔ اس میں کلام نہیں۔ کہ ناداری بہت سے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتی ہے اور باوجودیکہ مشرقی ممالک کی شان و شوکت یورپ میں میری آنکھوں کو چندھیا رہی تھی۔ لیکن ناداری کی وجہ سے بہت عرصہ تک مجھے اس سفر کا بیڑا اٹھانے کی جسارت نہ ہوئی۔ مگر میرا ارادہ بعینہ برف کا بڑا بھاری ٹکڑہ تھا۔ جس طرح کوہ ایلپس کی چوٹی سے یہ برف کے ٹکڑے جب گرنے لگتے ہیں۔ تو پھر کسی طرح نہیں تھمتے۔ اسی طرح میرا ارادہ بھی جب ایک دفعہ قائم ہو جاتا تھا۔ تو پھر کسی طرح بدل نہ سکتا تھا۔ آخرکار میں نے ارادہ کر ہی لیا۔ اور خوش قسمتی سے مجھے ایک مربی بھی مل گیا۔ جس کا نام بیرن جازف اٹوواس تھا۔ یہ شخص یورپ کا ایک مشہور مصنف تھا۔ اُس نے مجھے کچھ نقدی بھی دی۔ اور پرانے کپڑے بھی دیئے یہ شخص بڑا فیاض تھا۔ گو دولتمند نہ تھا۔ اس کے رسوخ سے میں کرایہ سے بچ گیا۔ غرض میں تھیلا اٹھا کر جو کتابوں سے پھٹا پڑتا تھا جہاز پر سوار ہوا۔ اور گیلکز کی طرف روانہ ہوا۔ گیلکز سے میرا ارادہ قسطنطنیہ یعنے استنبول جانے کا تھا۔

اخلاق و آداب

تین بھائی

کانٹ† (Can't) وونٹ (Won't) ٹرائی (Try) ایک غریب آدمی کے تین لڑکے تھے۔ گو یہ تینوں سگے بھائی تھے۔ مگر ان کی شکلیں ایک دوسرے سے اس قدر مختلف تھیں۔ کہ کوئی شخص انہیں دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ یہ تینوں آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

کانٹ بڑا بزدل لڑکا تھا۔ کہیں درخت پر چڑھنے کا اتفاق پڑتا۔ تو وہ اس ڈر سے کہ نیچے نہ آ پڑے۔ صاف کہہ دیتا۔ کہ "میں نہیں چڑھ سکتا" کہیں کھائی پھلانگنے کی ضرورت آ پڑتی۔ تو وہ نہایت خوف زدہ ہو جاتا۔ اور کہہ دیتا۔ کہ "میں نہیں پھلانگ سکتا" اگر اس سے کوئی سوال پوچھا جاتا۔ تو جواب میں کہتا۔ کہ "میں نہیں جانتا" اور اگر جمع کا کوئی سادہ سا سوال بھی اُسے حل کرنے کے لئے دیا جاتا۔ تو بھی وہ یہی جواب دیتا۔ کہ "میں حل نہیں کر سکتا" غرض اس سے جس قسم کا کام کرنے کے لئے کہا جاتا۔ وہ اس پر آمادہ ہونے کے بدلے صاف یہ جواب دیتا۔ کہ "میں نہیں کر سکتا"

وونٹ تھا تو عقلمند اور چالاک۔ مگر بڑا بدمزاج اور اڑیل تھا۔ اگر وہ یہ خیال کر لیتا کہ میں یہ کام نہیں کروں گا۔ تو وہ کبھی نہ کرتا خواہ اسکا سر پھوڑ ڈالو۔ یا ٹانگ توڑ ڈالو۔ اگر وہ کھیلنے سے ایک دفعہ انکار کر دیتا۔ تو ممکن نہیں تھا۔ کہ پھر اُسے کھیلنے پر آمادہ کیا جا سکے۔

† کانٹ Can not کا مخفف ہے۔ جس کے معنے "نہیں کر سکتا" ہے۔ اور وونٹ Would not کا مخفف ہے۔ جس کے معنے "نہیں کروں گا" ہے۔ ٹرائی کے معنے کوشش کے ہیں۔

اور اگر وہ کھیلنے کی ٹھان لیتا۔ تو سبق نہ یاد کرتا۔ حالانکہ وہ خوب جانتا تھا کہ سبق یاد نہ کرنے کے قصور میں مجھے ضرور سزا ملے گی یہی وجہ تھی۔ کہ نہ تو وہ اچھا کھلاڑی تھا۔ اور نہ وہ اپنی جماعت کے اچھے لڑکوں میں قابل قدر شمار ہونے کے قابل تھا۔ اور چونکہ اوّل درجہ کا ضدی اور بد مزاج تھا۔ اس لئے اُسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ اس سے کسی کام کے کرنے کو کہو۔ اس کا جواب یہی ہوتا تھا کہ "میں نہیں کروں گا"

ٹرائی گو تینوں بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ مگر بڑا دلیر اور باہمت تھا۔ اور ہر وقت ہر کام کرنے کے لئے تیار و مستعد پایا جاتا۔ جو کچھ اس کے والدین حکم دیتے یا استاد ارشاد کرتے۔ وہ فوراً اس کی تعمیل کرنے کی کوشش کرتا۔ خواہ کوئی کام اس کے امکان سے باہر ہی ہوتا۔ مگر وہ جواب میں کبھی "نہیں" نہ کہتا تھا۔ بلکہ ہمیشہ یہ کہتا تھا "میں نہیں جانتا۔ کہ آیا میں اس کام کو کرسکتا ہوں۔ مگر کوشش ضرور کروں گا" اور اگر کسی کام میں اُسے ناکامیابی ہوتی۔ تو وہ دوسری دفعہ کوشش کرتا۔ چنانچہ ایک مرتبہ وہ ایک خندق کو پھلانگتے ہوئے اس میں گر پڑا۔ لیکن وہ ذرا بھی مایوس نہ ہوا۔ بلکہ خیال کرنے لگا۔ کہ اب کامیاب نہیں ہوا۔ تو نہ سہی۔ ذرا اور بڑا ہوں گا۔ تو کوشش کرکے اس کو پھلانگ جاؤں گا۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد اس نے پھر کوشش کی۔ اور صاف پار نکل گیا۔ اسی طرح یہ چھوٹا بہادر ہر کام مستعدی سے کرتا۔ اپنا سبق خوب یاد کرتا۔ اور حساب کے سوالوں کو بڑی کوشش سے حل کرتا۔ چنانچہ سکول میں داخل ہونے کے بعد چند ہی مہینوں میں ٹرائی جماعت میں اوّل نمبر ہو گیا۔ اور کانٹ اور وونٹ دونوں آخر نمبر پر رہنے لگے۔ یہ تو ان کا طالب علمی کا زمانہ تھا۔ اب یہ تینوں بڑے ہو گئے ہیں۔ کانٹ ایک آقا کا نوکر ہے جس کا نام مسٹ (must) ہے۔ وونٹ کپتان شیل (shall) کی ماتحتی میں سپاہی ہے۔ اور ٹرائی۔ کامیابی اور خوش قسمتی کے کارخانوں میں ایک معزز حصہ دار ہے۔

اس کہانی سے یہ نتیجہ نکلتا ہے ۔ کہ جو لڑکے ہمیشہ یہی کہتے ہیں ۔ کہ ہم فلان کام نہیں کر سکتے ۔ اور کبھی کرنے کی کوشش نہیں کرتے ۔ وہ ہمیشہ ذلیل وخوار رہتے ہیں ۔ اور جو کر سکتے ہیں ۔ اور کرنا نہیں چاہتے ۔ ان کی عمر بھی ذلت ورسوائی اور کاہلی میں گذر جاتی ہے ۔ لیکن جو لڑکے اخلاقی جرأت کوشش اور ہمت کرکے کسی کام کو انجام دینے کا ارادہ کر لیتے ہیں ۔ وہ ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں ۔ اور ان کی زندگی امن اور خوشی میں گذرتی ہے ۔

نوشت وخواند

جُغرافیہ

نمبر ۴ ۔ طرفیں

۱ ۔ پچھلے تین نمبروں میں تمہیں بتلایا گیا ہے ۔ کہ (۱) جغرافیہ کیا ہے ۔
۲ زمین گول ہے ۔ اور (۳) خشکی اور تری کی حقیقت کیا ہے ۔ اس نمبر میں تمہیں بتلایا جاتا ہے ۔ کہ طرفیں کتنی ہیں ۔ اور کس طرح پہچانی جاتی ہیں ۔
۲ ۔ بڑی بڑی طرفیں چار ہیں ۔ شمال ۔ جنوب ۔ مشرق ۔ مغرب ۔ یعنی اتر ۔ دکھن پورب ۔ پچھم ۔
۳ ۔ اب میں تمہیں بتلاتا ہوں ۔ کہ ان طرفوں کو کس طرح پہچانا جاتا ہے ۔ تم دوپہر کے وقت اپنی پیٹھ آفتاب کی طرف پھیر کر کھڑے ہو جاؤ ۔ تو تمہارا چہرہ شمال کی طرف ہوگا ۔ پشت کی جانب جنوب ۔ دائیں
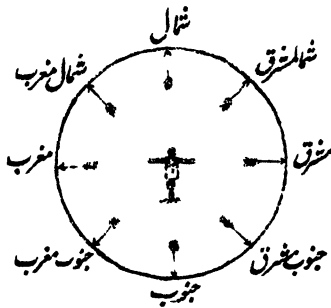
طرف مشرق ۔ اور بائیں جانب مغرب ہوگا۔

۴ ۔ تم اس بات کو تعجب سے سنوگے ۔ کہ سمندر باوجودیکہ اتنا بڑا ہے ۔ کہ ہم اس کے درمیان ایک جہاز کے تختہ پر کھڑے ہو کے دیکھیں ۔ تو خشکی کا کہیں نام ونشان بھی دکھائی نہیں دیتا ۔ مگر جہازوں کے کپتان جدھر جانا چاہتے ہیں ۔ بے کھٹکے چلے جاتے ہیں ۔ اور کبھی بھولتے نہیں ۔

۵ ۔ انہیں طرفوں کا پتہ ایک قطب نما کے ذریعہ سے لگ جاتا ہے ۔ جسے وہ ہر وقت اپنے ساتھ جہاز پر رکھتے ہیں ۔ یہ ایک چھوٹی ڈبیہ ہوتی ہے ۔

(قطب نما)

جس میں ایک سوئی لگی ہوتی ہے ۔ قطب نما کا ڈائل گھڑی کے ڈائل سے

مشابہ ہوتا ہے۔ اور یہ سوئی اس ڈائل کے گرد پھرتی ہے۔ اس سوئی کا خاصہ یہ ہے۔ کہ تم اس کو کسی طرف گھماؤ۔ لیکن اس کا رخ شمال کی طرف ہو جاتا ہے۔

۶۔ وسیع سمندروں میں قطب نما ملاحوں کا رہنما ہوتا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا۔ تو وہ ہزاروں میل کی مسافت کبھی سمندر کے راستہ سے طے نہ کر سکتے۔

۷۔ تم دریافت کرو۔ کہ تمہارے سکول کی شمالی دیوار کون سی ہے۔ اور اپنے استاد سے اجازت لیکر اس دیوار پر ایک موٹا ش لکھدو۔ پھر اس کے مقابل کی دیوار پر حروف ج لکھدو۔ اور اپنے چہرہ کو شمالی دیوار کی طرف کرو۔ جو دیوار دائیں ہاتھ کی جانب ہوگی۔ اس پر م ش لکھدو۔ اور جو بائیں جانب ہوگی۔ اس پر م غ لکھدو۔ اس طور پر تم چاروں طرفیں معلوم کرو گے۔

۸۔ جو کونہ شمال اور مشرق کے درمیان آئے گا۔ وہ شمال مشرق کہلاتا ہے۔ جو شمال اور مغرب کے درمیان آئے گا۔ وہ شمال مغرب کہلاتا ہے۔ جو جنوب اور مشرق کے درمیان آئے گا۔ وہ جنوب مشرق کہلاتا ہے۔ اور جو جنوب اور مغرب کے درمیان آئے گا۔ وہ جنوب مغرب کہلاتا ہے۔

یاد رکھو۔ بڑی بڑی طرفیں چار ہیں۔ شمال۔ جنوب۔ مشرق۔ مغرب۔

ورزش اور کھیل

جسمانی نشوونما کے لئے چند اشارات

(مگدر اور موگری کے بغیر ہم کس طرح قوت حاصل کر سکتے ہیں)

ہمارے ملک میں مگدر اور موگری کا عام رواج ہے۔ ہر قصبہ شہر اور گاؤں

میں اکھاڑے بنے ہوئے ہیں۔ دو چار نوجوان لنگر لنگوٹے کس کر میدان میں اُتر آتے ہیں۔ اور مگدر ہلاتے اور موگری پھیرتے ہیں کئی شوقین اکھاڑے کے ارد گرد جمع ہو کر اُن کے کرتب دیکھا کرتے ہیں۔ ان کی تفریح ہو جاتی ہے۔ اور اُن کا زور۔

مگر یاد رکھو۔ مگدر اور موگری کے ذریعہ سے صرف وہی لوگ زور کر سکتے ہیں۔ جنہیں خدا نے پہلے ہی کچھ تھوڑی بہت جسمانی قوت عطا کی ہوتی ہے۔ لیکن کمزور آدمی ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اس لئے ایسے لڑکوں اور نوجوانوں کی خاطر جو اُن کے ذریعہ سے ورزش کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ چند سہل ورزشیں معہ تصویروں کے درج کی جاتی ہیں۔ جن سے اُمید ہے۔ لڑکے بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن ان سے نقصان پہونچنا ممکن نہیں۔

سب سے عمدہ اور مناسب وقت ورزش کے لئے شام ہے۔ صبح کے وقت ورزش کرنا۔ گویا سارے دن کی تھکاوٹ مول لے لینا ہے۔ شام کو ورزش کرنے سے تھکاوٹ پیدا بھی ہو۔ تو مزے کی نیند اُسی پاس تک نہیں پھٹکنے دیتی۔

یہاں چند لفظ اس لڑکے کے اطمینان کے لئے بھی درج کر دینے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ کہ جو بیچارہ ورزشیں کرتا کرتا تھک گیا ہو۔ اور اسے اس قدر فائدہ نہ پہونچ سکا ہو۔ جتنا کہ اس کے ساتھ مل کر ورزش کرنے والے دوست کو۔ یہ ممکن ہے۔ کہ دو یکساں جسامت کے دوست ایک ہی قسم کی ورزش کریں۔ یکساں محنت کریں۔ لیکن پھر بھی ایک یا دو ماہ کے خاتمہ پر ان میں سے ایک خوب مضبوط ہو جائے۔ اور دوسرا کچھ زیادہ ترقی نہ کرے۔ اس سے مایوس نہیں ہو جانا چاہیئے۔ تم اپنے ساتھی سے زیادہ مضبوط ہو سکتے ہو۔ اگر وہ تم سے زیادہ مضبوط ہو گیا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس کے عضلات تمہاری

نسبت زیادہ ڈھیلے ہیں۔اوران میں نشوونما زیادہ ہے۔اس میں دو امورخاص طور سے مدنظر رکھنے چاہئیں۔اوّل یہ کہ مضبوط بننے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔ کہ بھاری چیزوں سے ورزش کی جائے۔بلکہ استقلال۔تیزی اورپھرتی سے ہلکی ورزش لگاتار کرتے رہنے سے ہی جسم کی مضبوطی حاصل ہوسکتی ہے۔دوئم یہ کہ ورزش کا حصّہ تمام اعضاء کو یکساں دینا چاہیئے۔کبھی کسی عضو کو ورزش سے محروم نہ رہنے دو۔بازو۔ٹانگ۔دھڑ وغیرہ ہرایک عضو کو بلا امتیاز باری باری اپنا حصّہ ملنا چاہیئے۔ورنہ ممکن ہے۔کہ ایک عضو دوسرے عضو کی نسبت زیادہ نشوونما پاجائے۔اور تم بھدّے ہوجاؤ۔

تمہاری آسانی کے لئے ہم ورزش کو تین حصّوں پر منقسم کرتے ہیں۔

۱۔ بازوؤں کی ورزش

۲۔ جسم یا دھڑ کی ورزش

۳۔ ٹانگوں کی ورزش

ایک بات اور یاد رکھو۔کہ اگر ورزش کرتے وقت جی ہار بیٹھوگے تو تمہیں کسی فائدہ کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ہمیشہ مستعدی اور عمدگی سے اپنا کام انجام دو۔

(۱)

اب ہم تمہیں ورزش کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں پہلے اپنی سیدھی حالت قائم کرو۔جسم کو بالکل سیدھا رکھو۔سر کو ٹھیک اوپر رکھو۔بازوؤں کو پہلوؤں کے ساتھ بالکل ڈھیلا چھوڑدو ہاتھ کھلے رہیں۔انگلیاں سیدھی رہیں۔اور ایڑیاں ملی رہیں۔(دیکھو تصویر نمبر ۱)

ابتدائی ورزش یہ ہے۔۵ منٹ تک سانس روکنے

کی مشق کرو۔ دونوں ہاتھ کولھے پر رکھو۔ انگوٹھے سامنے کی طرف رہیں۔ اور انگلیاں پشت کی جانب جس قدر ممکن ہو۔ ہوا یعنی سانس پھیپھڑوں سے باہر نکال دو۔ پھر آہستہ آہستہ ایک گہرا سانس بھرو جس سے پھیپھڑے ہوا سے بھر جائیں۔ اور سینہ پھول جائے۔ اس سانس کو قریباً نصف منٹ تک قابو میں رکھو۔ اور پھر اُسے آہستہ آہستہ باہر نکال دو۔ اس مشق کو نہایت احتیاط سے انجام دو۔ مگر سانس ہمیشہ ناک کی راہ سے لو۔

بازو کی ورزش کا پہلا قاعدہ:- باہوں کو کھُلا چھوڑ کر رانوں کے ساتھ لگاؤ۔ ہاتھ کو مضبوطی سے بند کرو۔ مگر انگلیوں کے جوڑ پچھلی طرف رہیں۔ کندھے سے لیکر کہنی تک بازو سخت رہے۔ اسی حالت میں نہایت تیزی سے مٹھی کو کندھے کی طرف لے جاؤ۔ یہی حرکت قریباً ۵۰ دفعہ کرو۔ پھر جوڑوں کو اگلی طرف کر کے اسی ورزش کو ۵۰ بار دہراؤ۔ مگر خیال رہے۔ کہ مٹھی مضبوطی سے بند رہنی چاہیئے۔ اور انگلیاں ہتھیلی سے چمٹی ہوئی معلوم ہوں۔

بازو کی ورزش کا دوسرا قاعدہ۔ باہوں کو تصویر نمبر ۲ کی طرح کندھوں کے برابر اٹھاؤ۔ ہاتھ کھُلے۔ انگلیاں سیدھی۔ اور

(۲)

ہتھیلیاں نیچے کی طرف رہیں۔ باہیں سخت کر کے ہاتھوں کو نیچے کی طرف اس طرح جھکاؤ۔ کہ قائم الزاویہ بن جائے۔ یہ ورزش ۵۰ دفعہ کرو پھر مٹھی کو نہایت مضبوطی سے بند کر کے ۵۰ دفعہ اور دُہراو اور پھر اپنی اصلی حالت پر تصویر نمبر ۲

کے مطابق لے آؤ۔ بعد ازاں اپنے

(۳)

بازوؤں کو تصویر نمبر ۳ کی مانند پھیلاؤ
کہ وہ کندھوں کے برابر ایک سیدھی
لائن بنائیں۔ پھر وہی ورزش جو
اوپر بتلائی گئی ہے۔ ۵۰ بار دُہراؤ۔

بازو کی ورزش کا تیسرا قاعدہ۔ تصویر
نمبر ۱ کی طرح پھر پوزیشن قائم کرو۔
اور بازوؤں کو آگے کے کندھوں کے
برابر پھیلا کر ہاتھوں کو باری باری
کھولو۔ اور بند کرو۔ لیکن جب بند کرو۔ تو ایسی مضبوطی سے بند کرو۔ کہ اگر کوئی شخص
کھولنا چاہے۔ تو نہ کھل سکے۔ پھر حسب سابق پوزیشن قائم کرو۔ اور بازوؤں
کو تصویر نمبر ۳ کی مانند پھیلاؤ۔ اور وہی حرکتیں ۵۰۔۵۰ بار دُہراؤ۔

بازو کی ورزش میں اگر ٹانگوں کو بھی فائدہ پہونچانا چاہو تو انہیں کسی قدر
خمیدہ رکھو کہ گھٹنے کسی قدر آگے کی طرف بڑھے رہیں۔

(۴)

جسم کی ورزش کا پہلا قاعدہ۔ ہاتھوں کو
کولھے پر اس طرح رکھو۔ کہ انگلیاں سامنے اور
انگوٹھے پیچھے رہیں۔ دیکھو تصویر نمبر ۴ پھر جسم کو
کمر کے جوڑ سے دائیں اور بائیں قریباً ۲۵ دفعہ
جھکاؤ۔ پھر جسم کو آگے کی طرف اس طرح جھکاؤ۔
کہ قائم الزاویہ بن جائے یہی حرکت آگے اور
پیچھے ۲۵ دفعہ کرو۔ پھر ہاتھوں کو گرا کر اپنی اصلی

حالت قائم کرو۔

جسم کی ورزشوں میں ٹانگوں کو سیدھا رکھنا چاہیئے۔اور پاؤں زمین کے ساتھ مضبوطی سے جمے رہنے چاہیں۔

جسم کی ورزش کا دوسرا قاعدہ۔حسب سابق پوزیشن قائم کر کے دائیں پیر

(۵)
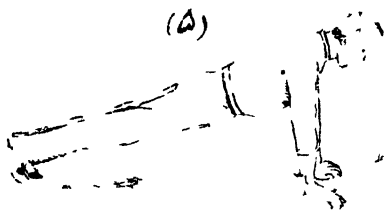
سے ایک قدم آگے بڑھاؤ۔پھر آگے کی طرف جھک کر اپنے بازوؤں کو پھیلاؤ۔اور ہاتھوں کو زمین پر اس طرح ٹیکو جس طرح تصویر نمبر ۵ میں دکھلایا گیا ہے۔پھر جسم اور ٹانگوں کو یہاں تک پھیلاؤ۔کہ سارا بوجھ ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں پر پڑجاوئے۔مگر پاؤں میں زیادہ فاصلہ نہیں ہونا چاہیئے۔اور سر سے لیکر پاؤں تک جسم سخت اور بانہیں بالکل سیدھی رہیں۔(دیکھو تصویر نمبر ۵)۔اس حالت میں بازوؤں کو یہاں تک جھکاؤ۔کہ چھاتی فرش سے لگ جاوے۔اور پھر بازوؤں کو اپنی اصلی حالت پر لاکر تصویر نمبر ۵ کی شکل اختیار کرلو۔

اگر یہ ورزش مناسب طور سے کی جائے۔تو کچھ طاقت صرف کرنی پڑتی ہے۔مگر جب ۱۲ یا ۱۴ بار یہی ورزش آسانی سے کرنے کی عادت پڑجاوے تو سمجھ لو۔کہ تمہارے جسم میں اچھی خاصی قوت پیدا ہوگئی ہے۔یہ ورزش ختم کرچکنے کے بعد دائیں پیر کو آگے بڑھاؤ۔اور اس کے سہارے پر کھڑے ہوجاؤ۔

ٹانگ کی ورزش کا پہلا قاعدہ۔حسب سابق پوزیشن قائم کرو۔اور کولھے

پر ہاتھ اس طرح رکھو۔ کہ انگلیاں سامنے رہیں۔ دائیں ٹانگ کو پھرتی سے اٹھاؤ اٹھاتے وقت ٹانگ گھٹنوں سے جھک جائے۔ اور جہاں تک ممکن ہو۔ ٹانگ کو چھاتی کی طرف لانے کی کوشش کرو۔ اس ورزش کو ۲۵ دفعہ دُہراؤ۔ اور بائیں ٹانگ سے یہی ورزش کرو۔ جسم سیدھا رہے۔ اُسے آگے کی طرف نہیں جھکنے دینا چاہیئے۔

ٹانگ کی ورزش کا دوسرا قاعدہ۔ ہاتھوں کو کولھے پر ہی رہنے دو۔ دائیں گھٹنے کو پھرتی سے جھکا کر دائیں ران کی پشت کو دائیں ایڑی لگانے کی کوشش کرو۔ یہ مشق ۲۵ بار کرو۔ اور پھر یہی مشق بائیں ران سے اتنی ہی بار کرو۔

ٹانگ کی ورزش کا تیسرا قاعدہ۔ ہاتھوں کو حسب سابق کولھے پر رکھو۔ دایاں قدم جہاں تک ممکن ہو۔ دائیں طرف کو لے جاؤ۔ دائیں گھٹنے کو اچھی طرح جھکاؤ۔ سارے جسم کا بوجھ اسی پاؤں پر رہے۔ بایاں پاؤں زمین پر ہموار اور بائیں ٹانگ بالکل سیدھی رہے۔ چند سکنڈ تک اسی حالت میں رہکر دائیں ٹانگ کو سیدھا کرلو۔ اور بائیں گھٹنے کو جھکا کر ساری جسم کا بوجھ اس پر ڈال دو۔ باری باری ۵ دفعہ یہی ورزش دونوں ٹانگوں کے ساتھ کرو۔

(٦)

ٹانگ کی ورزش کا چوتھا قاعدہ۔ پوزیشن قائم کرکے دونوں ایڑیاں ملاؤ۔ اور دونوں گھٹنوں کو شکل نمبر ٦ کی طرح باہر کی جانب جھکاؤ۔ ایڑیاں برابر اٹھی رہیں۔ پھر بالکل سیدھے کھڑے ہوجاؤ۔ یہ ورزش ۵۰ دفعہ کرکے سیدھے کھڑے ہوکر اپنے ہاتھ ڈھیلے چھوڑ دو۔ اور بستر پر جاکر آرام سے سو رہو۔

اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ اور ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں۔ کہ جو شخص یہ ورزشیں جو بالکل سادہ اور آسان ہیں۔ ہر روز بلا ناغہ استقلال سے کرے گا۔ وہ اس کے بیحد فائدہ کو دیکھ کر خود حیران رہ جائے گا۔ ان تمام ورزشوں کے انجام کرنے میں صرف ۱۵ یا ۲۰ منٹ صرف ہوتے ہیں۔ مگر اس سے جو فائدہ انسان کو پہنچ سکتا ہے۔ وہ اور کسی طرح نہیں پہونچ سکتا۔ اس سے جسم کے تمام اعضا حرکت کرتے ہیں۔ ہر ایک رگ اور ہر ایک پٹھے پر ان ورزشوں سے نمایاں اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر مٹھی مضبوطی سے بند کرنے کی ورزش پیش کی جاتی ہے۔ مٹھی کو حسب قواعد بند کرنے اور کھولنے سے کلائی اور بانہہ کے اگلے حصہ کو فائدہ کثیر پہونچتا ہے۔ اس میں شک نہیں ہے۔ کہ صرف مٹھی بند کرنے اور کھولنے سے کچھ فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ مگر مٹھی کو نہایت مضبوطی سے بند کرنے اور کھولنے سے جیسا کہ پہلے دو تین قاعدوں میں لکھا گیا ہے۔ از حد فائدہ پہونچتا ہے۔ اور یہی حالت سارہی ورزش کی ہے ؛
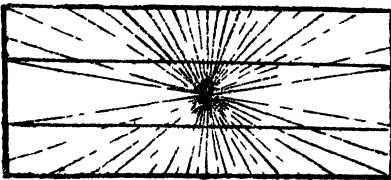
نظری دہوکہ
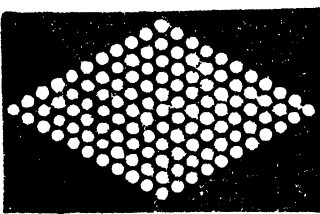
دنیا میں کوئی فرو بشر ایسا نہیں ہوگا جسکی نظر دہوکہ نہ کھاتی ہو۔ تصویر نمبر ۱ میں ۲ لمبے خط بجائیکہ بالکل ایک دوسرے کے متوازی اور ٹھیک سیدہے ہیں مگر پھر بھی ۲ درمیانی خط ٹیڑہے معلوم ہوتے ہیں۔ اسیطرح نمبر ۲ کے تمام دائرے گول ہیں مگر ذرا ٹکٹکی لگا کر دیکھو تو یہ کئی شکلیں بدلتے ہوئے دکھائی دینگے۔

(۱)

(۲)
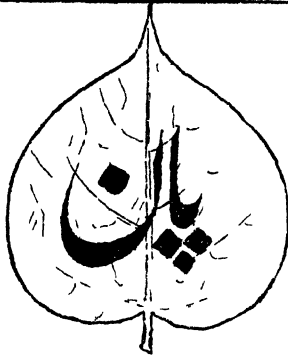
اس نظم کا مناسب اقتباس بچوں کے اخبار کے لئے پیش کیا جاتا ہے۔

(شہری)

بزمِ آرائے شعر و لٹریچر — دیکھ لیں مجھ میں قدرتِ نیچر
جانتے آپ ہیں مجھے کہ نہیں — میں ہوں اک صُوفیِ صفا آئیں
بادشاہوں کے گھر گذر میرا — ہر امیر کے دل میں گھر میرا
لکھنؤ کی گلی گلی ہے رچی — ساری دِلّی میں میری دھوم مچی
سارا پنجاب جانتا ہے مجھے — ہر زن و مرد مانتا ہے مجھے
شہر لاہور و شہر امرتسر — میرے رہنے کے خاص ہیں دو گھر
میں ہوں ایراں میں مایۂ دیدار — سُرخرو مجھ سے نوعروسِ بہار
پُوچھتے آپ کیا ہیں میرا مُول — میں ہوں شادی میں نازشِ تنبول
میں ہوں بچوں کا گرم کرتا مزاج — میں ہوں کھانسی میں اور نزلہ کا اک علاج
چاندی سونے کے ہیں مکاں میرے — کوئی دیکھے تو خاصدان میرے
مجھکو آرام سے سُلاتے ہیں — دھوپ میں خس کا بنگلہ چھاتے ہیں
مجھکو خوش آتی ہے گھنیری چھاؤں — گھر میں رہتی ہے میرے ٹھنڈی چھاؤں

مجھ سے خالی فقیر و شاہ نہیں　　میری کس گھر میں رسم و راہ نہیں

نازشِ بزمِ عیش و عشرت ہوں　　رازدار و امینِ خلوت ہوں

تھا گیا ہند سے میں تا بطحا ر　　ہوں صحابی رسول اکرم کا۔

میرا سینہ ہے جلوہ گاہِ کمال　　پیٹ میں طوطی کے ہر رکھا لال

نونہالِ ریاضِ رضواں ہوں　　ہند میں معدنِ بدخشاں ہوں

سارے ہندو ہیں شیفتہ میرے　　سب مسلماں فریفتہ میرے

عزتِ خانہ فقیر ہوں میں　　زیب کاشانہ امیر ہوں میں

گھر میں جس دم سفید ہی ہوتی ہے　　سچے موتی کی قلعی ہوتی ہے

دیکھ بربت کو عشوہ جو میرا　　برہمن پیتے ہیں لہو میرا

عطرِ فر　مشام ہے میرا　　خوش دماغوں میں نام ہے میرا

سرخیٔ روئے نوجواں ہوں میں　　طاقتِ قلبِ ناتواں ہوں میں

ہر دلہن کا ہوں جلوۂ رنگیں　　بزم شادی کی مجھ سے ہو تزئیں

دلہنوں کے لئے ہوں مایۂ ناز　　اور دولہا کو شربتِ اعجاز

ہوں میں محبوبِ عالم و آدم　　ہوں میں مطلوبِ آدم و عالم

گلشنِ دہر میں ہوں وہ پتا　　جو ورق ہوں بہارِ دانش کا

نیچرل پارٹی کو میرا سلام

جس نے سگرٹ حلال میں ہوں حرام

صنعت و حرفت اور تجارت

ہنر نامہ المعروف بہ آراستگی

(سلسلہ کے لیے دیکھو نمبر ۲۱ ماہ جنوری)

اپنی دوکانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں اہل ہنر — نہ سلاطیں کا ڈر ان کو نہ وزیروں سے خطر
آمد و شد ہی امیروں کی خود ان کے گھر پر — ایک حالت میں ہیں یاں جملہ ملازم افسر

اس طرح ملتے ہیں وہ سارے خریداروں سے
بادشاہ جیسے ملے اپنے زمینداروں سے

کر دیا بے ہنری نے ہمیں بالکل محتاج — چھن گئیں سلطنتیں گر گیا اقبال کا تاج
پہلے ہم لیتے تھے اب دیتے ہیں اوروں کو خراج — کل تھے خود حاکم وقت اور رعیت ہیں آج

انقلاب اپنی جہالت نے دکھایا ہے ہمیں
کیسی پستی میں بلندی سے گرایا ہے ہمیں

کوئی قوم ایسی نہیں جیسے کہ ہم ہیں ناشاد — کون سنتا ہے کریں سامنے کس کے فریاد
دشمنوں پر نہ پڑے جو پڑی ہم پر افتاد — ہم کو کیا کیا نہ کیا بے ہنری نے برباد

چوری سکھلائی اسی بے ہنری نے ہم کو
بھیک منگوائی اسی بے ہنری نے ہم کو

سر طرف غل ہے یہی ہائے ہنر ہائے ہنر — اب تو اک رٹ ہے لگی ہائے ہائے ہنر
چھا گئی تیرگی سی ہائے ہنر ہائے ہنر — تیری ہی روشنی تھی ہائے ہنر ہائے ہنر

اب نکلنا ہمیں دشوار ہے اس پستی سے

دست و پا ہو گئے بیکار تہی دستی سے

علم سکھلا کے بنایا ہمیں جاہل ہے ہے
کیسی چالاکیوں سے کر دیا کاہل ہے ہے
ایک حالت میں ہیں سب ناقص و کاہل ہے ہے
جو خیالات تھے سب ہو گئے باطل ہے ہے

درد افلاس سے یاں اپنا لبوں پر دم ہے
واں یہ رونا کہ ابھی ٹیکس بہت ہی کم ہے

ہیں جو اسکول میں اس وقت ہزاروں لڑکے
پڑھ پڑھا کر جو نکل آئے یہ خیریت سے
عمر کے تیس برس وہ تو کہیں تیر ہوئے
نوکری کا بھی قرینہ نہیں جو سب کو ملے

کوئی پیشہ تو سکھایا ہی نہیں اُن کو وہاں
پھر گدائی کے سوا اور بھی کچھ ہے ساماں

متوکل جو بنا چاہو ہُنر کو سیکھو
بے ہنر تم جو جیا چاہو ہنر کو سیکھو
دین و دنیا میں بھلا چاہو ہنر کو سیکھو
حق کے محبوب ہوا چاہو ہنر کو سیکھو

بے ہنر سے نہ نبی ہیں نہ خدا راضی ہے
شاہ راضی ہے نہ اکبر نہ گدا راضی ہے

ننھے بچوں کا صفحہ

(ایک انسان اور ایک حیوان کا بچہ)

میرے ننھے بلی کے بچے ادھر آ
پیئیں جلد ہم چائے کا لیکے پیالا
ترے پیارے اور نرم روئیں بدن کے
نہایت بھلے لگتے ہیں دل کو میرے

وہ غرّانے کی نرم آواز تیری — میرے کانوں کو کیسی لگتی ہے اچھی

ادھر آ۔ ادھر! بلّی کے ننھے بچے — بہت جلد اب میں پڑھونگا الف بے

یہی کل مری ماں نے مجھ سے کہا تھا — ہے پڑھنا بھی کیا کھیل کیطرح اچھا؟

میں ہوں سب سے بڑھکر۔ یہ کوشش کرونگا — الف بے بڑے شوق سے اب پڑھونگا

پڑھونگا نہ جبتک الف بے بھلا میں — تو دیکھوں گا کسطرح موٹی کتابیں

بلّی کا بچّہ اور الف بے

روئے زمین کے بچّے

کربلائے معلّیٰ کے ایک بچّے کی سرگذشت

(سلسلہ کے لئے دیکھو نمبر گذشتہ)

یوں تو اس شہر میں بسبب واقعہ حضرت امام حسینؑ کے اکثر رونا ہی رہتا ہے۔ لیکن بڑی دردناک آوازوں کے لئے تین فصلیں مقرر ہیں۔

ایک۔ محرم کا مہینہ۔

دوسرے۔ وہ ایام جن میں فوجی قانون کا منشا پورا کیا جاتا ہے۔

تیسرے۔ فصل وبا۔

محرم کا ذکر اوپر ہو چکا۔

فوجی قانون کے مطابق جب نظام (سپاہی) بھرتی ہونے لگتے ہیں۔ تو اپنے جوان لڑکوں کے لئے عرب ماؤں کا بیتاب ہو کر مجنوں کی طرح بازار میں چلّاتے پھرنا۔ رات دن رونا پیٹنا بڑا دردانگیز ہے۔ جب کوئی جوان یکایک بازار سے پکڑ کر قاضی اور افسروں معینہ کے روبرو حاضر کیا جاتا ہے۔ تو بعد ملاحظہ ڈاکٹر و قرعہ اندازی کے وہ درج رجسٹر ہو کر نظام کی حراست میں دیدیا جاتا ہے۔ اور یہ خبر اس کے گھر میں پہونچتے ہی انگنائی میں ماتمی صف بچھ جاتی ہے۔ برادری و ہمسایہ کی عورتیں جمع ہو کر ہرچند تشفّی و دلاسا دیتی ہیں۔ مگر بڑھیا ماں کی بیتابی کم نہیں ہوتی۔ میں نے اکثر اپنے کوٹھے کی دیوار یا کھڑکی سے دیکھا ہے۔ کہ اس ماتمی زنانے مجمع میں ایک عورت دیوانوں کی طرح کبھی کھڑے ہو کر دل پکڑے گھومتی

کبھی بیٹھ کر ہاتھ گھماتی کبھی اپنے لڑکے کا نام لیکر چلاتی
کبھی روتے روتے بیہوش ہو جاتی تھی۔ بازار میں کئی مرتبہ ایسی عربنوں کو دیکھا
ہے۔ جو اپنی سیاہ عبائیں اوڑھے روتی چلاتی بدحواسی میں لڑکے کو پکارتی چلی
جاتی تھیں۔ صحن حضرت عباس کے جس مکان میں ہم رہتے تھے۔ اسی کے دوسرے
قطعہ سے جو شخص راستہ چلتے پکڑ لیا گیا تھا۔ اس کے لئے بھی رات دن اس کی
عورتیں بیقرار رہی تھیں۔ تیسرے یا چوتھے روز دروازہ پر ایک سپاہی نے آواز دی
کہ آنکر اپنے فرزند سے ملجاؤ۔ عورتیں روتی ہوئی ڈیوڑھی میں آبیٹھیں۔ جب
میں مکتب جانے کے لئے دروازہ پر آیا تو میں نے اس نوگرفتار جوان کو جسے روز
دیکھتا تھا۔ نہ پہچانا لیکن بڑے غور کے بعد اس کی ڈبڈبائی ہوئی سرخ آنکھوں سے
معلوم ہوا کہ یہ وہی مغموم شخص ہے جس کا عمامہ ترکی ٹوپی (فینہ) سے بدل گیا۔
داڑھی بھی گھٹ گئی۔ اور بجائے ڈھیلی ڈھالی عبا قبا کے چست کوٹ پتلون زیب
بدن کئے دروازہ کی سیڑھی پر بیٹھا اشک آلود نگاہ حسرت ویاس سے اپنی ماں بہنوں
کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے دہنے بائیں دو سپاہی وردی پہنے ڈٹے ہوئے ہیں۔ جو اس کو
اور اس کی عورتوں کو تسلی بخش کلمات میں سمجھاتے اور اپنی سرگذشت سناتے جاتے
ہیں۔ کہ چند روز بعد ہماری طرح تم بھی آزادانہ پھروگے چین کروگے۔ ابن السلطان
کہلاؤگے۔ معزز ہو جاؤگے۔ اگر تمہاری قسمت لڑگئی تو جلد افسری ملجائے گی۔ دیکھو
اب ہم لوگ کیسے اطمینان سے بسر کرتے ہیں۔ کوئی کام ہے نہ کاج صبح کو تھوڑی
سی قواعد کر لیتے اور دن بھر سرایہ کے لمبے وسیع کمروں میں پڑے ملہار گایا کرتے
یا سرود وغیرہ بجایا کرتے ہیں تھوڑے دن میں تم کو خود ہی اپنے عہدہ وحالت کی
قدر ہو جائے گی۔ اور معینہ مدت کے بعد نوکری چھوڑنے کو جی بھی نہ چاہے گا لیکن
یہ فقرے اس دردمند پر کچھ موثر نہیں ہوئے۔ وہ بیچارہ تھوڑی دیر بعد متعلقین

کو روتا چھوڑ کر اپنے دونوں موکلوں کی حراست میں بادل بریاں و چشم گریاں اسٹریٹ کو روانہ ہو گیا۔ عجم و ہندی پر بسبب غیر رعیت ہونے کے گو اس قانون کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ مگر گرفتار شدہ عرب جوانوں کے والدین کی آہ و زاری دیکھکر وہ بھی محزون ہو جاتے ہیں۔

تیسری دردناک آواز بیماری ہیضہ کے ایام میں گھروں سے بلند ہوتی ہے۔ جس میں رونے والے ہمیشہ کے لئے پیاروں سے یکایک چھوٹ جاتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے مکتب سے آتے ہی اپنی پھوپھی زاد بہن کے پاس سب کو روتا پایا۔ ایرانی و ہندی حکیم کی دوا اور بڈھے ماں باپ کی دعا کا یہ برعکس اثر ہوا کہ وہ بیچاری دنیا کی تمام بیماری اور جھگڑوں سے آزاد ہو گئی۔ روپیٹ کر لاش اٹھائی گئی۔ اور بعد غسل و کفن کے جناب حاجی کے حجرہ یعنی ہمارے مکتب ہی میں دفن کی گئی۔ شب کو ہم لڑکوں کے سوا اور سب مع مرحومہ کی والدہ کے رونے میں مشغول رہے۔ صبح ہوتے ہی میں نے دیکھا کہ میری پھوپھی جن کو میں ماں سمجھتا تھا۔ لوٹ رہی ہیں۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی ختم ہو گئیں۔ اور کل کی طرح آج کا دن بھی تجہیز و تکفین میں صرف ہوا۔ اسی مکتب کے حجرہ میں ان کو دفن کر کے شام تک ہم لوگ واپس آئے صبح کو دوسری پھوپھی کا یہی حال دیکھا۔ غرضکہ ایک ہفتہ کے اندر بھرا گھر صحن حضرت امام حسین کے اس گوشہ زمین میں منتقل ہو گیا۔ جس پر ہمارے جناب حاجی کا مکتب ہے یہ عبرتناک واقعہ ہمسایوں کے لئے بھی تاسف خیز تھا۔ جو ایک نوجوان لڑکی (میری پھوپھی زاد بہن) سے شروع ہو کر ایک سو تین برس کی بڑھیا (میری دادی) پر ختم ہوا۔ بزرگوں میں اب میرے پھوپھا باقی رہ گئے۔ جو رات کو نماز جماعت کے بعد گھر پہونچتے ہی سنسان مکان میں ہم لڑکوں کو صرف انا کے پاس بیٹھا دیکھکر بے اختیار رونے لگتے ہیں۔ اُن کے چلا کر رونے کی آواز پڑوسیوں کو بھی محزون کرتی ہے۔

عجب اتفاق ہے۔ کہ مجھے کسی جنازہ پر پیٹتے یا مچلتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا
حالانکہ میرا سن پورے بارہ برس کا بھی نہیں تھا۔ اور اپنی بڑی پھوپھی کو میں بہت
چاہتا اور امان کہتا تھا۔ البتہ کسی وقت میری آنکھ سے چند آنسو نکل پڑتے تھے لیکن
گھر کے باہر سناٹے میں یا حرم میں یا رات کو سوتے وقت چپکے چپکے دیر تک رویا کرتا تھا۔
دو تین روز بعد میری خالہ (جو آسودہ حال اور صاحب جواہرات گنی جاتی تھیں)
آنکر ہم دو منحوس یعنی مجھے اور میرے چھوٹے بھائی کو اپنے گھر اٹھا لے گئیں۔ یہ وہی
گھر ہے۔ جس میں مجھے کبھی دلچسپی نہیں ہوئی تھی۔ اور اگر بہزار منت و خوشامد کسی ایک
شب کو یہاں رہنے کا اتفاق ہوا۔ تو نیند نہیں آئی۔ مگر اب یہی گھر ہے۔ اور میں
ہوں۔ ہم دونوں کے چلے آنے پر انا بھی اپنے لڑکے نادر میرزا (میرے مختلف البطن
بھائی) کو لیکر دوسرے گھر میں اٹھ گئیں۔ ماہیر علی کو پہلے ہی سے دادی صاحبہ نے
آزاد کر دیا تھا۔ جس نے ایک ہندی رئیس کی نوکری کر لی تھی۔ بوا مشکی اور بوا دلپسند
بھی روانہ عدم ہو چکی تھیں۔ لہذا یہ پورا مکان جس میں ایک ہفتہ قبل خوب چہل پہل تھی
محض پھوپھا۔ اور ان کے بیٹے محمد علی میرزا کے لئے بیت الاحزان بن گیا۔ چند مہینے بعد
بڑے پھوپھا صاحب نے گھر کو از سر نو آباد کرنا چاہا۔ اور اپنے فرزند کی شادی شریف
سید کی لڑکی سے کر دی۔

میں اپنی خالہ کے یہاں رہتا۔ اور بدستور سابق جناب حاجی کے مکتب میں پڑھنے
جایا کرتا تھا۔ میری سالگرہ کا ناڑا بھی خالہ صاحبہ میرے ساتھ لیتی آئی تھیں۔ اور اپنی
لڑکی کے ساتھ جو میری ہم عمر ہے۔ تاریخ معینہ پر میری بھی سالگرہ کرتی تھیں جب
وہ تیرہ برس کی ہوئی تو خالہ صاحبہ نے اس کی شادی ایک ہندی شریف سے کر دی
جس نے دو تین مہینے بعد خالہ صاحبہ سے کہا کہ جبتک محمد میرزا گھر میں رہے گا میں
نہیں آؤں گا۔

ظاہر ہے۔ کہ ایک ضعیف عورت کو اپنی اکلوتی لڑکی اور داماد کی مفارقت کیونکر گوارا ہو سکتی ہے۔ وہ دن بھر روتی ہیں۔ اور جب میں شام کو مکتب سے آیا تو گھر کا رنگ بدلا دیکھکر بجائے خود متعجب ہوا لیکن چونکہ کسی بات کے دریافت کرنے کی عادت نہ تھی۔ اس لئے میں نے خالہ صاحبہ کے رونے اور ماماؤں کی متاسفانہ باتوں کی کچھ پرواہ نہ کی کھانے کے بعد میری خالہ نے مجھکو اپنے منہ بولے بھائی کے مکان پر بھیجدیا۔ شام کا وقت جاڑے کا موسم اور بارش ہو رہی تھی۔ جبکہ میری عمر کے تیرہویں برس نے مجھے عزیزداری کے حلقہ سے بھی نکالکر باہر پھینکدیا۔ جن بزرگ سید صاحب کے پاس میں بھیجا گیا تھا۔ ان کو ماموں اور ان کی اہلخانہ کو ممانی کہنے لگا۔ میرا چھوٹا بھائی بھی میرے ساتھ تھا خالہ صاحبہ کبھی کبھی ہمارے دیکھنے کو آیا کرتیں۔ اور اپنے گھر بھی بلاتیں۔ مگر صرف میرا بھائی جاتا۔ باوجود فہمائش میں نے ان کے داماد سے ملنا یا ان کے گھر جانا گوارا نہیں کیا۔

ماموں صاحب نے جناب حاجی کے مکتب سے اٹھا کر مجھے دوسرے مولوی صاحب کے سپرد کیا۔ جو عربی پڑھاتے تھے۔ اور بعد چندے میں مدرسہ اودہ میں داخل کیا گیا۔ جہاں جناب حاجی کا ایسا نگران کوئی نہیں تھا۔ اور نہ کوئی تعزیرات کا قانون جمعرات کو سنایا جاتا۔ اسلئے جمعہ کو کھیل کی آزادی ملتی۔ اور اکثر جمعہ کو دیگر شریر لڑکوں کے ساتھ لکھنوی بڈھے حکیم صاحب کو ستانے کے لئے مدرسہ جاتا ہم میں سے ایک لڑکا حکیم صاحب کو چھیڑ کر بھاگتا۔ اور وہ مغلظہ گالیاں دیتے ہوئے پیچھے دوڑتے۔ جمعہ کا زیادہ وقت اسی تماشہ میں گذرتا۔ حکیم صاحب بہت بڈھے تشخیص مرض وعمدہ علاج میں مشہور تھے۔ ان کو تنخواہ اور مدرسہ میں قیام کی جگہ دی گئی تھی کہ لڑکوں کا علاج کریں شریر لڑکوں نے خود انہیں کا اس درجہ علاج کیا۔ کہ آخر وہ بیچارے نوکری چھوڑکر ہندوستان واپس چلے گئے

ایک روز ہمارے ایک مولوی صاحب نے لڑکوں سے چندہ جمع کر کے مع شاگردان حضرت حرؒ کی زیارت کو جانا تجویز کیا۔ چندہ میں نے بھی دیا۔ اور روز معینہ پہ ہم سب مع جناب موصوف روانہ ہوئے۔

طبعِ انسان

(نتیجہ طبع جناب مولوی محمد اسلم صاحب جیراجپوری)

میں تم سے کیا کہوں کہ کیا ہوں — گلدستۂ شان کبریا ہوں
ہر رنگ کی مجھ میں اک کلی ہے — ہر پھول کی مجھ میں پنکھڑی ہے
ہر طرح کی بو بسی ہے مجھ میں — فطرت کی شگفتگی ہے مجھ میں
قدرت کے چمن میں ہیں جو وہ گل — سارا عالم ہے مجھ پہ بلبل
اک رنگ کی تہہ میں میرے سو رنگ — وہ نغمہ ہوں جس میں ہیں صد آہنگ
جو رنگ ہے میرا خوشنما ہے — جو بات ہے میری دلربا ہے
سارا عالم ہے جان سے قربان — کہتے ہیں مجھ کو طبع انسان

ہر علم کی ہوں سکھانے والی — ہر بات کی ہوں بتانے والے
موجد ہر علم و فن کی ہوں میں — بانی طرز سخن کی ہوں میں
میں نے تفسیر کا لکھا فن — ہے علم حدیث مجھ سے روشن
منطق کے غوامضات سارے — اور فلسفے کے نکات سارے
ان دونوں کی ہے مجھی سے بنیاد — ہوں شیخ رئیس کی میں استاد
فن طب میں نے ہی بنایا — علم کیمسٹری سکھایا

علم فقہ و اصول و ہیأۃ — یہ سب ہیں میری ہی بدولت
مرصاد کے میں بنانے والی — دورِ فلکی دکھانے والی
علم تاریخ کی میں ہوں جڑ — انساب کے سلسلہ کی ہوں لڑ
بزم انصاف کی میں ہوں صدر — میرے باعث سے اسکی ہے قدر
موسیقی کے راگ میں نے گائے — ہر گت میں تال سُر لگائے

مجھ پر جو خدا کی ہوں عنایات — پھر دیکھو تم میری کرامات
کرتی ہوں پیمبری جہاں میں — عزت ہی میری انس و جان میں
بیت المعمور مجھ سے معمور — ہیں دونوں جہان مجھسے پرنور
ہوں میں نعمان ابو حنیفہ — لکھتی ہوں دین کا صحیفہ
ہارون کا نام مجھ سے روشن — ماموں کا نام مجھ سے روشن
جوشِ محمود غزنوی ہوں — دہلی کی وجہ برتری ہوں
فیضی کو میں نے دی ہی شہرت — بوالفضل کو میں نے دی وزارت
بزم اکبر کی مجھ سے زینت — ہوں عالمگیر کی میں سطوت
دانائے فرنگ مجھ سے مشہور — میں شمعِ جرمنی کی ہوں نور

صنعت اور ساری دستکاری — دنیا میں ہوئی ہیں مجھسے جاری
یہ ٹیلیگراف ریلوے لین — لینی ہی نہیں جو رات دن چین
یہ پل یہ جہاز یہ عمارات — یہ دہوم یہ شورش تجارات
ہی سب کا ظہور میرے دم سے — میرے ہی ہیں یہ سب کرشمے
میں نے ہی کیا زمین کا گھر سبز — ساری کھیتی ہے مجھسے سرسبز

ہر نفع کی چیز ڈھونڈھ لائی ۔۔۔ دنیا ہے یہ سب میری کمائی
موتی دریا سے چھان لائی ۔۔۔ دیکھو تو ذرا میری رسائی
چاندی معدن سے کھود کر میں ۔۔۔ دنیا میں ہوں لٹاتی زر میں
کپڑے سو طرح کے بنائے ۔۔۔ جاکٹ پتلون کوٹ سائے
ہیں کیسے کیسے خوبصورت ۔۔۔ انسان کی ہے جس سے زیب و زینت

اللہ نے دی ہے مجھے شرافت ۔۔۔ کمتر ہے مجھ سے ساری خلقت
جو میں دنیا میں کرتی ہوں کام ۔۔۔ کب غیر سے اوسکا ہو سرانجام
سارے یہ طیور و چارپائی ۔۔۔ خالق نے میرے لئے بنائی
افلاک زمین اور ستارے ۔۔۔ خدمت کے لئے میری ہیں سارے
ہوں سارے جہاں کی وجہ تکوین ۔۔۔ ماہی سے لیکے تا بہ پروین +
لیکن یہ فضیلتیں ہیں اوسدم ۔۔۔ جب ہوں کسی اہل سے میں باہم
نااہل کے پلے گر پڑی میں ۔۔۔ مٹی سے بھی پھر بتر ہوئی میں
فطرت میری خاک میں ملی سب ۔۔۔ صنعت میری دھول ہو گئی سب
میں جوہر قدرتی ہوں ای جاں ۔۔۔ تو قدر مری ضرور پہچان
کچھ کام غرض سب مجھے سکھا تو ۔۔۔ پھر پائے گا اپنا مدعا تو

اسلم مجھ کو نہ چھوڑ بیکار
ورنہ ہوگا جہاں میں تو خوار

بچوں کی مجلس

نوکروں سے کیسا برتاؤ چاہئے

میں ایک دن اپنے ایک دوست کے مکان پر بیٹھا تھا۔ قریباً گیارہ بجے کا وقت تھا۔ کہ میرے دوست کا نوکر آیا۔ اور اس نے ڈرتے ڈرتے دست بستہ عرض کی۔ کہ جناب کھانا طیار ہے۔ میرے دوست نے اس کو خفگی سے کہا چلے جاؤ۔ الو بدذات تم جانتے نہیں۔ کہ میں باتوں میں لگا ہوں مجھکو اسکی اس بدتمیزی سے سخت حیرت ہوئی اور میں نے دل میں مصمم ارادہ کر لیا۔ کہ اسکو ضرور سمجھاؤنگا۔ دوسرے دن قریباً پانچ بجے شام کے میرا عزیز دوست میرے مکان پر آیا۔ میں نے اُسکے بٹھانے کے لئے نوکر سے کرسی مانگی مگر بڑی حلیمی اور نرمی سے کام لیا۔ میرا دوست نوکر کو نرمی سے بلاتا ہوا دیکھکر سخت حیران ہوا۔ اور بے ساختہ بول اٹھا۔ اس دوکوڑی کی بساط کے نوکر کے ساتھ تم کیوں الفت سے بولتے ہو۔ میں آگے ہی کل کا بھرا بیٹھا تھا۔ میں نے اسکے ساتھ مندرجہ ذیل گفتگو کی جو کہ سننے کے قابل ہے۔

میں۔ بھائی چونکہ تم میرے بڑے عزیز دوست ہو۔ اور میں تم کو قوت بازو سمجھتا ہوں۔ اس لئے مجھکو اُمید ہے۔ کہ تم میری گفتگو کو گوش ہوش سے سنوگے۔

دوست۔ میں آپکی گفتگو سننے کا بڑا اشائق ہوں۔ اور امید ہے۔ کہ آپکی قابل نصیحت ل کو کان دہر کر سنوں گا۔

میں۔ کل تم نے میرے سامنے اپنے نوکر کو کس بے رحمی سے اُلّو بد ذات کہا تھا۔ جس کو سنکر مجھکو بڑا افسوس ہوا۔ بجائے اُسکے کہ تم حلیمی کے ساتھ اس کو کہتے۔ کہ تم چلو میں ابھی آتا ہوں۔

دوست۔ واہ۔ وہ کوئی میرا رزّاق ہے۔ کہ میں ادب کے ساتھ گفتگو کرتا اس طرح تو نوکر سر پر چڑھ جاتے ہیں۔

میں۔ افسوس اگر آپ میں کچھ بھی رحم کا مادہ ہوتا۔ تو آپ اوس بیچارہ غریب نوکر کے ساتھ ایسی بے رحمی کا برتاؤ نہ کرتے۔ اگر تم اس وقت اوٹھ کر مار بھی لیتے۔ تو وہ بیچارہ آپ کے سامنے اف بھی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ نوکر جو کہ آپ کے حکم میں تھا۔ اس کے ساتھ آپ نے ایسا بُرا سلوک کیا۔ اور پھر آپ اوسے اپنا رزّاق کہتے ہیں۔ افسوس!

دوست۔ اجی آپ تو خاصے ناصح نکلے۔ پچھے رستم۔ میں آپکو ایسا نہ سمجھتا تھا۔ اب تو بس آپ کے سامنے نوکروں کو اجی اور آپ کہہ کے بُلایا کروں گا۔

میں۔ آپ مجھکو ناصح کہتے ہیں۔ میں نے تو آپ سے ایک سادہ سی بات کہی تھی۔ آپ کو بُری معلوم ہوئی۔ یہ مجھ سے قصور ہوا۔ معاف کیجیے آپ نے یہ کیا کہا۔ کہ آپ کے سامنے نوکر اجی اور آپ اور تم سے مخاطب کیا کروں گا۔ خدارا آپ اس خیال کو دل سے دور کریں۔ کیونکہ خدا دیکھتا ہے۔ اور وہ آپ کی اس قسم کی باتوں سے بڑا خفا ہوگا۔

میں نے ایسی کئی باتیں جن سے پتھر کا دل بھی موم ہوجائے اپنے دوست کے گوش گذار کیں۔ وہ چُپ چاپ بیٹھا سنتا رہا۔ یہاں تک کہ میری باتوں سے موثر ہوکر اس کی آنکھوں میں آنسو نکل آئے۔ اور خدا کے

خوف سے ڈر کر اپنے اس طرز برتاؤ کی معافی چاہی۔ خدا معلوم اس کے دل میں کیا خیال آیا۔ یا وہ میرے دکھلانے کے لئے یا سچ مچ کرنے لگا۔ اس نے پھر مجھ سے خطاب کر کے اس طرح کلام کیا۔

دوست۔ میرے عزیز بھائی آپ کی بیش قیمت نصیحت مجھکو تمام عمر یاد رہے گی۔ اور نوکروں کے ساتھ ہمیشہ نرمی سے برتاؤ کیا کروں گا۔ مہربانی فرماکر آپ مجھکو ہر روز ایک نہ ایک نصیحت ضرور سنایا کریں۔ آپ تو میرے لئے فرشتہ رحمت ثابت ہونگے۔ خدا سب کو میری طرح نیک ہدایت دے۔ اے عزیز بھائیو! تم بھی مظلوم اور حلقہ بگوش نوکروں کے ساتھ حلیمی سے برتاؤ کیا کرو۔

راقم عبدالحمید طالب علم ماڈل سکول لاہور۔ (عمر ۱۱ سال ۲ ماہ)

الطاف

سنا ہے کہ اک شخص کے پاؤں پر　　پڑا سہو سے پائے حضرت عمرؓ
کہا اس نے اندھا ہے اے بیخبر　　لگے معذرت کرنے اس سے عمرؓ
کہ اندھا نہیں ہوں خطاوار ہوں　　خطا بخشنے کا طلبگار ہوں
بزرگوں کے الطاف کو دیکھئے　　کہ کیا زیردستوں پر احساں کئے

راقم محمد عبداللہ پھلوری

ہر ایک کام کو شروع کرنے سے پہلے اس کے نیک و بد کو ترازوئے خیال میں وزن کرلو۔ ورنہ بعد میں خفت اٹھانی پڑے گی ؏

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

غور اور توجہ

سب سے پہلے شرط غور اور توجہ کرنے کی یہ ہے۔ کہ غور کرنے والے کا دماغ تندرست اور صحیح ہو۔ دوم کسی چیز پر غور کرنے سے پہلے دماغ کو اس چیز کے خیال کے سوا اور تمام خیالات سے خالی اور فارغ کر لیا جائے۔ سوم غور کرنے والا آدمی ایسی جگہ پر ہو جہاں اس کی توجہ کو ہٹانے والی چیزیں موجود نہ ہوں۔ اور ایسی آوازیں نہ آتی ہوں جو اس کے دماغ کو پراگندہ کریں۔ اور اس کے خیالات کو جمع نہ ہونے دیں۔ غور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز پر غور کرنا ہو۔ اس پر ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ۔ اگر وہ آنکھوں سے دیکھنے کی چیز ہو تو اس کو ٹکٹکی باندھ کر کچھ دیر تک دیکھتے رہو۔ اگر اس میں سے کوئی آواز آتی ہے۔ تو کانوں کی مدد سے اس کی آواز کو اچھی طرح کچھ عرصہ تک سنتے رہو۔ اگر دونوں باتیں ممکن ہیں۔ تو آنکھوں اور کانوں سے ایک ساتھ کام لو۔ اگر اس چیز میں خوشبو یا بدبو ہے۔ تو ناک کو بھی متوجہ کرو۔ اور اس کی خوشبو یا بدبو کو ایک لمحہ تک سونگھتے رہو۔ اگر تم اس کو چکھ سکتے ہو۔ تو اس کا ذائقہ معلوم کرنے کے لئے اس چیز کو زبان پر رکھو اور اچھی طرح چکھ کر دیکھو کہ اس کا مزا کیسا ہے۔ اگر تم اس چیز کو چھو سکتے ہو۔ تو ہاتھ لگا کر اس کو ٹٹولو۔ اور دیکھو کہ اس کے چھونے سے کیا کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ غرض کہ جس طاقت سے تم اس چیز کو محسوس کر سکتے ہو۔ اس سے اس چیز کا احساس کرو۔ اگر ایک سے زیادہ حواس سے اس کو محسوس کر سکتے ہو تو کئی حواس سے کام لو۔ کئی حواس سے کام لینے سے ذہن پر گہرا نقش ہوتا ہے۔

راقم محمد ثناء اللہ پھلوری

دیانت دار بنو

بہت سال نہیں گذرے کہ دو آدمی ایک دوسرے کے پڑوس میں
رہتے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام تو فرنیک ہارٹ (صاف دل) اور دوسرے
کا نام وائلی (مکار) تھا فرنیک ہارٹ فوراً ہر ملنے والے شخص پر اعتبار کر لیا کرتا
تھا۔ مگر وائلی دولت کا اتنا مشتاق تھا۔ کہ اس کو یہ مقولہ بالکل فراموش ہو گیا تھا
کہ دیانتداری نہایت ہی عمدہ تدبیر ہے۔ ایک دن فرنیک ہارٹ وائلی کے
گھر آیا۔ اور اس سے کہنے لگا۔ پڑوسی وائلی! میرا چچا سخت بیمار ہے۔ مجھے
اس کے ملنے کے لئے جانا ہے۔ میرے پاس سو پونڈ کی اشرفیاں ہیں۔ اور میں
چاہتا ہوں۔ کہ انہیں چھوڑ جاؤں۔ اب کیا کرنا چاہیئے۔ وائلی کی آنکھیں
خوشی سے چمک اٹھیں۔ اور اس نے جواب دیا۔ کہ میرے پاس ایک آہنی صندوق
ہے۔ جس میں کہ میں اپنے روپے اور نوٹ رکھا کرتا ہوں۔ آگ سے اس کو
ضرر نہیں پہونچ سکتا۔ اور چور اس کو کھول نہیں سکتے۔ میں کنجی ایسی جگہ رکھا
کرتا ہوں۔ جو میری عورت اور میرے سوا کسی اور کو معلوم نہیں میری رائے
میں تم میرے صندوق میں چھوڑ جاؤ۔ تمہیں اس سے بہتر جگہ نہیں مل سکتی
فرنیک ہارٹ نے جواب دیا "میں خیال کرتا ہوں۔ کہ میں صرف چند ہی ہفتہ
باہر رہوں گا۔ میں آپ کا نہایت ہی مشکور ہوں۔ کہ آپ نے میرے سونے
کی حفاظت کے واسطے صندوق دیا ہے۔ یہ لو"۔ فرنیک ہارٹ نے تھیلی نکالی
اس میں سے اشرفیاں نکال کر میز پر ڈالدیں۔ اور انکو وائلی اور اس کی
بیوی کے سامنے گنا۔ اور پھر تھیلی میں ڈالدیا۔ اور اوپر سے باندھ دیا۔ اور ان
کو وہ ٹکٹ دکھلا دیا جس پر کہ رقم اور نام لکھا ہوا تھا۔ تب اس نے تھیلی وائلی

کے حوالے کر دی۔ اس کو اور اس کی عورت کو خدا حافظ کہہ کے چلدیا۔ وائلی کی عورت نے کہا "کہ یہ کیسا لاپرواہ آدمی ہے۔ کہ ہم سے اشرفیوں کی رسید لئے بغیر ہی چلا گیا ہے۔ اس کے خاوند نے جواب دیا بیشک وہ ہمارے اعتبار پر چھوڑ گیا ہے۔ ہم یہ بھولینگے نہیں"۔ ابھی وائلی نے دل میں حرص کی طاقت کو محسوس کرنا نہیں شروع کیا تھا۔ فرینک ہارٹ تقریباً سال بھر بعد گھر واپس آیا واپس آنے کے دوسرے دن بعد وہ اپنے پڑوسیوں کے مکان پر گیا۔ اور کہا۔ کہ تکلیف کر کے وہ اشرفیوں کی چھوٹی سی تھیلی لے آؤ۔ وائلی اپنی عورت کی طرف دیکھنے لگا۔ اور اس کی عورت اپنے خاوند کی طرف۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ ایک دوسرے کے منتظر ہیں۔ آخرکار وائلی نے جواب دیا مسٹر فرینک ہارٹ تمہیں یاد نہیں رہا ہوگا۔ یہ تو سچ ہے۔ کہ تم نے ہمارے ہاں تھیلی چھوڑنے کے بارے میں ذکر کیا تھا۔ مگر ہم نے تمہیں وہ واپس کر دی تھی کیونکہ ہم اس کے چورائے جانیکے خطرے کو برداشت کرنا نہیں چاہتے تھے۔ فرینک ہارٹ نے اس کی عورت کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کیا تم بھی یہی کہتی ہو؟ اس نے شرما کر جواب دیا۔ کہ ہاں۔ کیا یہ تم خیال کر سکتے ہو۔ کہ میرا خاوند جھوٹ بولتا ہے؟ یہ بات قرین قیاس نہیں۔ کہ ہم نے اجرت لئے بغیر اشرفیوں کی تھیلی رکھنے کا ذمہ لے لیا ہو۔ فرینک ہارٹ نے کہا اچھا پڑوسیو چونکہ میں نے روپئے کی رسید تم سے لینے میں غفلت کی ہے۔ میں خیال کرتا ہوں۔ میری اشرفیاں ضرور کھو جانی چاہئیں۔ مگر تم دیکھو گے۔ کہ اس طرح حاصل کئے ہوئے روپے سے تمہیں فائدہ نہیں پہنچیگا۔ مجھے اتنا اپنے لئے افسوس نہیں آتا۔ جتنا تمہارے لئے آتا ہے۔ تمہاری رائے میں آج رات کو کون آرام سے سوئے گا۔ تم یا میں! اس نے اپنی ٹوپی اٹھا کر گھر کا راستہ لیا۔ تب

وائلی کی عورت نے اپنے خاوند سے کہا۔ اُسے واپس بلا لو۔ اور کہدو۔ کہ ہم ہنسی کر رہے تھے۔ خاوند! وہ سچ کہتا ہے یہ روپیہ ہمارے لئے قباحت پیدا کرے گا وائلی نے کہا۔ نہیں نہیں دیکھو تو کیسا چمکدار سونا ہے۔ علاوہ ازیں فرینک ہارٹ ہم سے بہت دولتمند ہے۔ وہ اس کا نقصان اٹھا سکتا ہے۔ فرینک ہارٹ حاکم کے پاس گیا۔ اور اس کو ماجرا کہ سنایا۔ حاکم نے پوچھا تم نے روپیہ کی رسید لی تھی۔ فرینک ہارٹ نے کہا نہیں۔ مجھے یہ خیال تھا۔ کہ پڑوسی وائلی سورج کی مانند دیانتدار ہے۔ اس کی جورو اس کے پاس ہی کھڑی تھی۔ جبکہ میں نے اس کو روپیہ دیا تھا۔ حاکم "فرینک ہارٹ تم اس کمرے میں چلے جاؤ۔ اور وہاں ٹھیرے رہو۔ میں مسٹر وائلی کو بلاتا ہوں۔ اور اس سے اس کی بابت دریافت کرتا ہوں"۔ فرینک ہارٹ نے حکم کی تعمیل کی۔ اور حاکم نے ایک افسر کو حکم دیا۔ کہ وائلی سے کہو فوراً ہماری کچہری میں حاضر ہو۔ جونہی وائلی آیا حاکم نے اس سے کہا۔ "مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ کچھ عرصہ گذرا تم کو کسی دوست نے کچھ اشرفیاں حفاظت کے لئے دی تھیں۔ مگر اب تم اسے واپس دینے سے انکار کرتے ہو۔ بتاؤ تمہارے انکار کرنے کا باعث کیا ہے؟" وائلی نے جواب دیا مجھے اس کی بالکل خبر ہی نہیں۔ حاکم نے کہا فرض کیا۔ کہ تم بے گناہ ہو۔ مگر مجھے یقین دلانے کی خاطر اپنی عورت کو ایک رقعہ جو میں تمہیں لکھواتا ہوں۔ لکھو۔ میں نے سنا ہے۔ کہ وہ اس معاملے کی گواہ ہے۔ اگر تمہارا بیان صحیح ہے۔ تو یہ بآسانی ثابت ہو سکتا ہے۔ بس یہ الفاظ لکھو۔ مگر وائلی نے جسے یہ تجویز پسند نہ آئی تھی کہا "لیکن اگر حضور مناسب سمجھیں تو میں گھر جا کر اپنی بیوی کو حضور کے سامنے بلا لاؤں۔ میرے خیال میں جو کچھ اسے کہنا ہے۔ اس کے معلوم کرنے کا یہ سب سے آسان طریق ہے"۔ حاکم نے کہا میں اپنا طریقہ پسند کروں گا۔ یہ قلم اور سیاہی اور کاغذ لو

اور لکھو"۔ وائلی دروازہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ گویا چاہتا تھا کہ دوڑ جائے۔ مگر چونکہ افسر پاس کھڑے تھے۔ اس لئے اس تدبیر کا خیال نہ کر سکا۔ اس نے قلم اٹھا لیا۔ اور مندرجہ ذیل الفاظ حاکم کہتا گیا۔ اور وہ لکھتا گیا "میری پیاری بیوی حامل رقعہ ہذا کو فرینک ہارٹ کی اشرفیوں کی تھیلی دیدو۔ کیونکہ میں اسے واپس دیدینا چاہتا ہوں"۔ حاکم نے بڑی غور سے اس رقعہ کا ملاحظہ فرمایا تاکہ اس میں کسی اور قسم کا کوئی الفاظ ایزاد نہ کیا گیا ہو۔ وائلی جانے کو اٹھا۔ بدیں امید کہ شائد میں وقت پر گھر پہونچ جاؤں۔ اور اپنی عورت کو تمام حال سمجھادوں مگر حاکم نے سخت اور زور کی آواز سے کہا "صاحب بیٹھ جاؤ۔ اور میرے قاصد کے آنے کا انتظار کرو"۔ وائلی راز کے کھل جانے سے کانپ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ افسروں میں سے ایک نے حاکم سے رقعہ لیا۔ اور روانہ ہو گیا۔ اور آدھ گھنٹے سے پہلے تھیلی لیکر واپس آگیا۔ اس نے تھیلی حاکم کے حوالے کر دی۔ اور اشرفیوں کو گنا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ٹھیک سو پونڈ ہیں۔ بدبخت وائلی نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور جج سے معافی مانگی۔ جج نے دروازہ کھولا۔ اور فرینک ہارٹ کی طرف اشارہ کر کے وائلی سے کہا۔ کہ یہ آدمی ہے جس سے تمہیں معافی مانگنی چاہیئے۔ فرینک ہارٹ نے کہا حضور میں خیال کرتا ہوں۔ کہ اس کا ضمیر ہی کافی سزا دے دیگا۔ جج نے جواب دیا مجھے اس بات کا یقین نہیں جو آدمی ایسے کمینے کام کر سکتے ہیں انکا دل بھی پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر تم اس آدمی پر دعوے نہیں کرتے ہو۔ تو مجھے بھی چھوڑ دینا پڑے گا۔ فرینک ہارٹ نے کہا میں دعوے نہیں کرتا ہوں۔ کیونکہ مجھے امید ہے۔ کہ وہ سدھر جائے گا۔ تب جج نے کہا مجھے صرف یہ کہنا ہے۔ کہ اس بارے میں تم قابل الزام ہو۔ کہ تم نے بغیر رسید لئے کسی آدمی کے پاس کیوں روپیہ رکھا۔ خواہ وہ دیانت دار ہو

یا نہ ہو۔ یہ بات کہہ کر جج نے ان کو رخصت کر دیا۔

راقم محمد ظفر طالب علم مشن ہائی سکول انبالہ شہر

اِنعامی مُقابلے

سید محمد ساجد رضا فہیم اکبر آبادی (عمر ۱۰ سال) نے تجویز پیش کی ہے۔ کہ "جو طالب علم انعامی معموں کو حل کریں۔ ان میں سے ہر ایک کو ہر آنہ فی کس ملنے چاہئیں کیونکہ یہ بعید از انصاف ہے۔ کہ بیشمار حل کرنے والوں میں سے صرف تین لڑکوں کو انعام دیا جائے"

تجویز معقول ہے۔ مگر اس کا عمل میں آنا صرف "بچوں کا اخبار" کی کثرت اشاعت پر منحصر ہے۔ دل تو چاہتا ہے۔ کہ بچوں کے اخبار کے چھوٹے ناظرین میں کئی قسم کے اعلےٰ سے اعلےٰ انعام تقسیم کئے جائیں۔ مگر جب اشاعت کیطرف دیکھتا ہوں۔ تو حوصلہ نہیں پڑتا۔ قدردانوں کی قدردانی سے اس رسالہ کی اشاعت بفضل خدا اب ایک ہزار کے قریب پہونچ گئی ہے۔ مگر یہ بہت تھوڑی ہے۔ اور اس کے لئے ساڑھے تین روپیہ کا انعام ہی کافی تھا۔ اور ہر چند کہ گنجائش نہیں ہر مگر کسی کی دل شکنی منظور نہیں ہے۔ اس لئے میں ایک ہے کی بجائے پانچ روپیہ کا انعام حل کنندوں میں تقسیم کرتا ہوں۔ آئندہ جوں جوں آپ اپنے بچوں کے اخبار کے خریدار بڑھائینگے۔ اوسی مناسبت سے انعام زیادہ ہوتے جائینگے۔

ایڈیٹر

حل معما تئیسواں و چوبیسواں۔ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ اس مہینہ میں کوئی حل کنندہ انعام کا مستحق نہیں ہے۔ بعض نے دو میں سے صرف ایک معما حل کیا۔ اور بعض جنہوں نے دونوں حل کئے ہیں۔ ان کا صرف ایک صحیح ہے۔ البتہ گوردت خلف رائزادہ بھگت رام صاحب بیرسٹرایٹ لا جالندھر (عمر ۱۳ سال ۲۵ یوم) کے دونوں حل ٹھیک ہیں۔ مگر افسوس ہے۔ کہ وہ بھی خلاف قاعدہ حل کئے گئے ہیں۔ بہر حال اس حل کنندہ کو سب سے زیادہ انعام ملنا چاہیئے۔ چنانچہ ۵ روپیہ کا انعام تمام صحیح حل کنندوں میں جن کی تعداد ۹ ہے۔ حسب تفصیل ذیل تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) گوردت۔ ایک روپیہ۔ (۲) محمد اعظم طالب علم انگریزی دفعہ ۴ بتوسط محمد اختر خاں صاحب نائب تحصیلدار پرگنہ منڈر ریاست گوالیار عمر ۱۲ سال اور ق۔ن دختر جناب ڈپٹی محمد نصیم اللہ صاحب عمر ۹ سال بارہ۔ بارہ آنہ ہر ایک (۳) حسین خاں طالب علم دفعہ مڈل اسکول دریا آباد عمر ۱۳ سال ۷ ماہ ۴ یوم اکبر علی عرف صاحب میاں۔ از پڑاوہ دربار ٹونک عمر ۱۲ سال حبیب الرحمن عرف چنو میاں از کوئٹہ بلوچستان۔ سید مہدی حسن عرف جی میاں خلف سید احمد علی صاحب تحصیلدار پڑاوہ ریاست ٹونک عمر ۱۳ سال آٹھ آٹھ آنہ ہر ایک
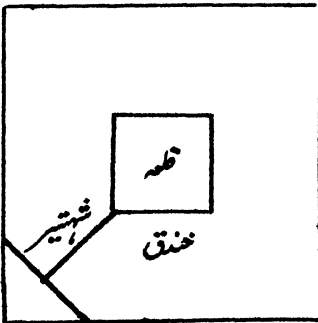
اور (۴) سید ایجاد حسین بتوسط سید خلاص حسین صاحب از سندیلہ ضلع ہردوئی عمر ۱۱ سال اور محمد اکرام اللہ طالب علم تھرڈ مڈل گورنمنٹ موڈل سکول لاہور عمر ۱۲ سال چار چار آنہ ہر ایک۔

دونوں معموں کا حل درج ہے۔

حل معما تئیسواں
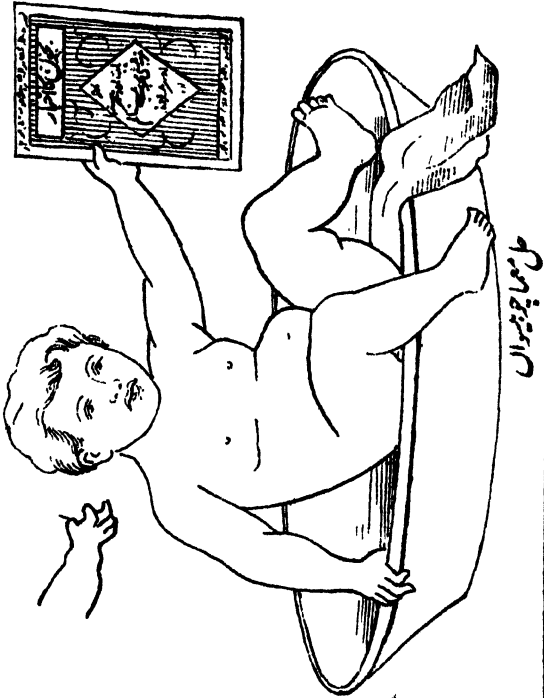
یہ ہرگز

مناسب نہیں کہ ہم ایسے لوگوں کے جن کے ساتھ ہم رہتے ہیں، احسان فراموش کر دیں۔ اگر اُن سے ہم کو ذرا بھی تکلیف پہونچے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ وہ تکلیف یا رنج ہمکو ارادتاً نہ پہونچایا گیا ہو

(گولڈ اسمتھ) ایل - آر - نیٹر - لودہانہ

حل طلب معمے
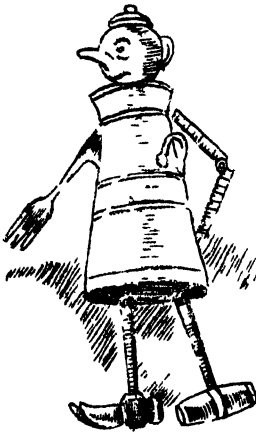
معمّا پچیسواں۔ ذیل میں چھ سات مختلف چیزوں کو ملا کر ایک آدمی بنایا گیا ہے۔ یہ تمام چیزیں عام ہیں۔ اور ان سب کے نام تمہیں معلوم ہیں اسی طرح تم بھی چند چیزیں لیکر ان کے کسی آدمی یا حیوان کی شکل بناؤ۔ اور اس کا ہوبہو خاکہ کھینچکر حسب معمول بچوں کا اخبار پہونچنے سے ایک ہفتہ کے اندر اندر اس دفتر میں بھیج دو۔

معمّا چھبیسواں۔ اس سے پہلے کئی قسم کی بھول بھلیاں "بچوں کا اخبار" میں درج ہو چکی ہیں۔ اب کے ایک بالکل نرالی طرز کی بھول بھلیاں درج کی جاتی ہے۔ جو پھولوں کو چن کر بنائی گئی ہے۔ حرف الف سے لیکر حرف بے تک ان پھولوں میں سے ہوتے ہوتے گذر جاؤ۔ اور سُرخ روشنائی سے نشان کر کے یہاں بھیج دو۔ واضح رہے۔ کہ انعامی مقابلہ میں صرف دونوں معمے حل کرنے والوں کو شریک کیا جاےگا۔ معمہ دوسری طرف دیکھو

الف سے شروع ہو کر بے پر آنکلو